بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ
نضر الله امرأ سمع منا حديثاً فحفظه حتى يبلغه
ماهنامہ
الحدیث
حضرو
شمارہ نمبر
93
ربیع الاول ۱۴۳۳ھ فروری ۲۰۱۲ء
مدیر: حافظ زبیر علی زئی
جماعت المسلمین سے کیا مراد ہے؟
مسئلہ رفع یدین اور مزاری دیوبندی کے شبہات
الجزء المفقود: قائلین کی زبانی ایک جائزہ
آلِ دیوبند و آلِ بریلی نے بھی امام ابو حنیفہ کو چھوڑا ہے
محمود بن اسحاق البخاری الخزاعی القواس رحمہ اللہ
مکتبۃ الحدیث حضرو، اٹک: پاکستان
www.ircpk.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِیۡثِ

ماہنامہ الحدیث حضرو

نضر اللّٰہ امرءً ا سمع منّا حدیثاً فحفظہ حتّی یبلّغہ

جلد: 9 | ربیع الاول ۱۴۳۳ھ فروری ۲۰۱۲ء | شمارہ: 2

مدیر: حافظ زبیر علی زئی

معاونین
حافظ ندیم ظہیر
ابو خالد شاکر
ابو جابر عبداللہ دامانوی

قیمت
فی شمارہ : 25 روپے
سالانہ : 300 روپے
علاوہ محصول ڈاک
پاکستان: مع محصول ڈاک
400 روپے

خط کتابت
مکتبۃ الحدیث
حضرو ضلع اٹک

ناشر: حافظ شیر محمد
0300-5288783

مقام اشاعت
مکتبۃ الحدیث
حضرو ضلع اٹک

برائے رابطہ
0302-5756937

اس شمارے میں

اضواء المصابیح

أضواء المصابیح في تحقیق مشکوۃ المصابیح

۱: باب ما یوجب الوضوء

ان چیزوں کا بیان جن سے وضو واجب ہوتا ہے

الفصل الأول

۳۰۰) عن أبي هريرة ، قال قال رسول الله ﷺ :

((**لا تقبل صلاة من أحدث حتى يتوضأ .**)) متفق عليه .

ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کا وضو ٹوٹ جائے اس کی نماز قبول نہیں ہوتی، حتیٰ کہ وہ (دوبارہ) وضو کرے۔

متفق علیہ (صحیح بخاری: ۱۳۵، صحیح مسلم: ۲/ ۲۲۵)

فقہ الحدیث:

۱: نماز صرف وہی مقبول ہے، جس کے لئے صحیح مسنون وضو کیا جائے اور نماز سنت کے مطابق ہو، نیز ریا کاری اور دکھاوا نہ ہو بلکہ نیت صرف اللہ کی رضا مندی اور کتاب وسنت کی اتباع ہو۔

۲: بعض چیزوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، مثلاً ہوا کا شرمگاہ سے خارج ہونا، نیند کرنا اور اونٹ کا گوشت کھانا وغیرہ۔

۳: ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھنا جائز ہے۔

۳۰۱) و عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ :

((**لا تقبل صلاة بغير طهور ، ولا صدقة من غلول .**)) رواه مسلم .

ابن عمر (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وضو کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی

اور چوری اور خیانت والے مال سے صدقہ قبول نہیں ہوتا۔

اسے مسلم (۲/۲۲۴) نے روایت کیا ہے۔

فقہ الحدیث:

۱: نماز کے لئے وضو فرض ہے۔

۲: مشکوک مال مثلاً سودی رقم، جُوئے کی رقم، ہیروئن اور چرس وغیرہ منشیات سے حاصل شدہ رقم، چوری اور فراڈ والی رقم، ڈاکے والی رقم اور خیانت والے مال وغیرہ سے صدقہ کرنا قبول نہیں ہوتا بلکہ مردود ہے اور یہ مال مسجدوں اور مدرسوں کی تعمیر وغیرہ پر لگانا جائز نہیں۔

۳: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی نماز میں نکسیر پھوٹ گئی تو انھوں نے جا کر وضو کیا، پھر کلام کئے بغیر واپس آ کر اسی نماز پر بنا فرمائی۔

نیز ایسا عمل سعید بن المسیب رحمہ اللہ سے بھی ثابت ہے۔

(دیکھئے موطأ امام مالک (۱/۳۸۔۳۹ ح ۷۶، ۷۸ والسندان صحیحان))

یاد رہے کہ صحیح حدیث سے یہ ثابت ہے کہ وضو ٹوٹنے کے بعد نماز دوبارہ پڑھنی چاہئے۔ دیکھئے ح ۳۱۴ (ان شاء اللہ)

۳۰۲) وعن علي قال: كنت رجلاً مذاءً، فكنت أستحيي أن أسأل النبي ﷺ لمكان ابنته، فأمرت المقداد، فسأله، فقال: ((**يغسل ذكره و يتوضأ.**))

متفق عليه.

اور علی (بن ابی طالب رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ میں ایسا آدمی تھا کہ مجھے کثرت سے مذی آتی تھی، چونکہ نبی ﷺ کی بیٹی (فاطمہ رضی اللہ عنہا) میرے نکاح میں تھی، لہٰذا مجھے آپ سے مسئلہ پوچھنے سے شرم آتی تھی، پس میں نے مقداد (بن اسود رضی اللہ عنہ) کو حکم دیا کہ وہ آپ سے مسئلہ پوچھیں تو آپ (ﷺ) نے فرمایا: ایسے آدمی کو چاہئے کہ اپنا ذکر (آلۂ تناسل) دھوئے اور وضو کرلے۔

متفق علیہ (صحیح بخاری: ۲۶۹، صحیح مسلم: ۱۷/۳۰۳)

فقہ الحدیث:

۱: بڑوں اور علماء کا احترام انتہائی ضروری ہے اور بعض اوقات کسی شرعی عذر کی وجہ سے خود سوال کرنے کے بجائے دوسرے کے ذریعے سے بھی سوال کیا جا سکتا ہے۔

۲: بوس و کنار، مداعبت اور جماع کے وقت مرد کی پیشاب کی نالی سے بلا ارادہ نکلنے والا پانی نما پتلا مادہ مذی کہلاتا ہے اور اس سے غسل واجب نہیں ہوتا بلکہ صرف وضو ٹوٹ جاتا ہے اور اگر جماع ہو جائے یا شرمگاہ سے شرمگاہ مل جائے تو پھر غسل واجب ہو جاتا ہے، یعنی نہانا فرض ہو جاتا ہے۔

۳: خیر و معروف اور نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرنا بہت اچھا کام ہے۔

۴: مذی نکلنے کے بعد اگر جماع نہ ہو، شرمگاہ سے شرمگاہ نہ ملے تو پہلے استنجا (مذی کی جگہ دھونا) اور بعد میں وضو کرنا چاہئے۔

۵: اس باب کی روایات جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علی نے سیدنا عمار اور سیدنا مقداد سے کہا تھا کہ یہ مسئلہ پوچھیں، پھر انھوں نے (اسی مجلس میں) خود بھی یہ مسئلہ پوچھ لیا تھا۔ رضی اللہ عنہم (دیکھئے صحیح ابن حبان/ الاحسان: ۱۰۹۹، اور میری کتاب، عمدۃ المساعی: ۱۹۳)

۳۰۳) وعن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ: ((**توضؤوا مما مست النار** .)) رواه مسلم .قال الشيخ الإمام الأجل محيي السنة ، رحمه الله : هذا منسوخ بحديث ابن عباس .

ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جسے آگ چھو جائے تو اس (چیز کے کھانے) سے وضو کرو۔

اسے مسلم (۹۰/۳۵۲) نے روایت کیا ہے۔

جلیل القدر امام شیخ محیی السنہ (البغوی) رحمہ اللہ نے (مصابیح السنۃ [۲۰۵] میں) فرمایا: یہ (حکم) ابن عباس (رضی اللہ عنہما) کی حدیث کی رُو سے منسوخ ہے۔

فقہ الحدیث:

۱: آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضوٹوٹنے کا حکم ایک استثناء کے ساتھ منسوخ ہے اور وہ استثناء یہ ہے کہ اونٹ کا گوشت کھانے سے وضوٹوٹ جاتا ہے۔ دیکھئے حدیث: ۳۰۵
اوراس کے علاوہ آگ پر پکی ہوئی ہر حلال چیز کھانے سے وضونہیں ٹوٹتا۔

۲: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے لئے دیکھئے نمبر ۳۰۴
نیز سیدنا جابر الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیز (کھانے) کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری حکم یہ تھا کہ اس سے وضونہیں ٹوٹتا۔

(سنن ابی داود: ۱۹۲، وسندہ صحیح وصححہ ابن خزیمہ: ۴۳)

۳ احکامِ شریعت میں دلیل کے ساتھ ثابت شدہ نسخ برحق ہے۔

حدیث وسنت اور عینی حنفی

مشہور حنفی عالم بدرالدین محمود بن احمد العینی (متوفی ۸۵۵ھ) نے لکھا ہے:
”و فی الاصطلاح :السنة :الوحي غير المتلو، و فی الشرع ، السنة : ما صدر عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم غير القرآن من قول ۔ و يسمّى الحديث ۔ أو فعل أو تقرير ، فعلم أن لفظ الحديث مختص بالأقوال و لفظة السنة تعم الأقوال و الأفعال . “ اور اصطلاح میں سنت وحی غیر متلو (ایسی وحی جس کی تلاوت نہ کی جائے) کو کہتے ہیں اور شریعت میں قرآن کے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال ــــ اور انھیں حدیث کہا جاتا ہے ــــ افعال یا تقریر کو کہتے ہیں پس معلوم ہوگیا کہ حدیث کا لفظ اقوال کے ساتھ مختص ہے اور سنت کا لفظ اقوال وافعال (دونوں) کو عموماً شامل ہے۔ (نخب الافکار فی شرح معانی الآثار ج۱ ص۴۰)

اس حوالے سے ثابت ہوا کہ عینی حنفی کے نزدیک اصطلاح اور شریعت میں حدیث وسنت ایک ہی چیز کے دونام ہیں، فرق صرف اقوال وافعال میں ہے۔

جماعت المسلمین سے کیا مراد ہے؟

سوال عرض ہے کہ ''جماعت المسلمین'' (رجسٹرڈ) بخاری و مسلم کی اس (آنے والی) حدیث کو اپنے حق میں پیش فرماتے ہیں، جبکہ ہمیں ان کے اس فہم و استفادہ سے، اس طرح کے استدلال سے اختلاف ہے۔ براہِ مہربانی خیر القرون کے فہم و استفادہ سے مستفیض فرمائیں۔

زیرِ تحت باب کیف الامر إذا لم تكن جماعة میں حدیث نمبر ۱۹۶۸...**قال : تلزم جماعة المسلمين و إمامهم . قلت :فإن لم يكن لهم جماعة و لا إمام؟ قال :فاعتزل تلك الفرق كلها و لو أن تعض بأصل شجرة حتى يدركك الموت و أنت على ذلك .** (ج۳ص۷۷۹)

صحیح مسلم، کتاب الامارة باب وجوب ملازمة جماعة المسلمين عند ظهور الفتن و في كل حال .(ج۵ص۱۳۷)

محترم! اس تناظر میں قرون ثلاثہ کے حوالے سے مکمل راہنمائی فرمائیں کہ ''جماعت المسلمین'' (رجسٹرڈ) اس بنیاد پر

۱: سب کو گمراہ اور اپنے آپ کو کاملاً صحیح سمجھتے ہیں۔

۲: اپنی کئی کتب مثلاً (۱) دعوتِ اسلام (ص ۴۷۔۴۸) میں ۳۴ مذہبی جماعتوں (۲) دعوتِ فکر و نظر (ص ۴۹) میں ۳۳ مذہبی جماعتوں اور لمحہ فکریہ (ص ۴۲) وغیرہ میں ۳۲ مذہبی جماعتوں کے نام گنوائے ہیں، جن میں یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ یہ (جماعتیں) چونکہ ''جماعت المسلمین'' (رجسٹرڈ سے) وابستہ نہیں، لہٰذا گمراہ ہیں۔

۴: سیاسی جماعتوں کا اس (میں) مطلق ذکر نہ بھی کسی خطرے سے خالی نہیں۔

براہِ کرم اپنے قیمتی لمحات میں سے کچھ وقت خصوصی راہنمائی کے لئے ضرور وقف فرمائیں۔ (طالبِ اصلاح وخیر: طارق محمود، سعید آٹوز۔ دینہ جہلم)

الجواب اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن اور صحیح حدیث حجت ہے اور قرآن و حدیث سے اجماعِ امت کا حجت ہونا ثابت ہے، لہٰذا ادلۂ شرعیہ تین ہیں:

۱: قرآن مجید

۲: احادیث صحیحہ وحسنہ لذاتہا، مرفوعہ

۳: اجماعِ اُمت

سبیل المومنین والی آیت کریمہ اور دیگر دلائل سے درج ذیل دو اہم اصول بھی ثابت ہیں:

۱: کتاب وسنت کا صرف وہی مفہوم معتبر ہے جو سلف صالحین (مثلاً صحابہ، تابعین، تبع تابعین، محدثین، علمائے دین اور صحیح العقیدہ شارحینِ حدیث) سے متفقہ یا بغیر اختلاف کے ثابت ہے۔

۲: اجتہاد مثلاً آثارِ سلف صالحین سے استدلال۔

اس تمہید کے بعد سیدنا حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث: ((**تلزم جماعة المسلمين و إمامهم** .)) مسلمانوں کی جماعت اور اُن کے امام کو لازم پکڑلو، کی تشریح میں عرض ہے کہ یہاں جماعت المسلمین سے مراد خلافت المسلمین ہے اور **إمامهم** سے مراد **خليفتهم** (یعنی مسلمانوں کا خلیفہ) ہے۔ اس تشریح کی دو دلیلیں درج ذیل ہیں:

۱: (سبیع بن خالد) الیشکری رحمہ اللہ (ثقہ تابعی) کی سند سے روایت ہے کہ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ((**فإن لم تجد يومئذ خليفةً فاهرب حتى تموت** ...))

پھر اگر تم ان ایام میں کوئی خلیفہ نہ پاؤ تو بھاگ جاؤ حتیٰ کہ مر جاؤ۔

(سنن ابی داود: ۴۲۴۷، وسندہ حسن، مسند ابی عوانہ ۴/ ۴۲۰ ح ۷۱۶۸ شاملہ)

اس حدیث کے راویوں کی مختصر توثیق درج ذیل ہے:

(۱) سبیع بن خالد الیشکری رحمہ اللہ

انھیں ابن حبان، امام عجلی، حاکم، ابوعوانہ اور ذہبی نے ثقہ و صحیح الحدیث قرار دیا، لہٰذا اس زبردست توثیق کے بعد انھیں مجہول یا مستور کہنا غلط ہے۔

(۲) صخر بن بدر العجلی رحمہ اللہ

انھیں ابن حبان اور ابوعوانہ نے ثقہ و صحیح الحدیث قرار دیا، اور اس توثیق کے بعد شیخ البانی کا انھیں مجہول قرار دینا غلط ہے۔

(۳) ابوالتیاح یزید بن حمید رحمہ اللہ

صحیحین و سنن اربعہ کے راوی اور ثقہ ثبت تھے۔

(۴) عبدالوارث بن سعید رحمہ اللہ

صحیحین و سنن اربعہ کے راوی اور ثقہ ثبت تھے۔

(۵) مسدد بن مسرہد رحمہ اللہ

صحیح بخاری وغیرہ کے راوی اور ثقہ حافظ تھے۔

ثابت ہوا کہ یہ سند حسن لذاتہ ہے اور قتادہ (ثقہ مدلس) کی عن نصر بن عاصم عن سبیع بن خالد والی روایت صخر بن بدر کی حدیث کا شاہد ہے، جو کہ مسعود احمد بی ایس سی کے ''اصولِ حدیث'' کی رُو سے سبیع بن خالد رحمہ اللہ تک صحیح ہے۔

(دیکھئے سنن ابی داود: ۴۲۴۴ وصححہ الحاکم ۴/۴۳۲۔۴۳۳ ووافقہ الذہبی)

اس حسن (اور مسعودیہ کے اصول پر صحیح) روایت سے ثابت ہوا کہ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ والی حدیث میں امام سے مراد خلیفہ ہے اور یاد رہے کہ حدیث حدیث کی تشریح کرتی ہے۔

۲: حافظ ابن حجر العسقلانی نے ''تلزم جماعة المسلمين و إمامهم'' کی تشریح میں فرمایا: '' قال البيضاوي: المعنى إذا لم يكن في الأرض خليفة فعليك بالعزلة و الصبر علىٰ تحمل شدة الزمان و عض أصل الشجرة كناية عن مكابدة المشقة.'' (قاضی) بیضاوی (متوفی ۶۸۵ھ) نے فرمایا: اس کا معنی یہ ہے کہ اگر زمین

میں خلیفہ نہ ہو تو تم (سب سے) علیحدہ ہو جانا اور زمانے کی سختیوں پر صبر کرنا۔ درخت کی جڑ چبانے کے اشارے سے مراد مصیبتیں برداشت کرنا ہے۔ (فتح الباری ۱۳/ ۳۶ بحوالہ مکتبہ شاملہ)

حافظ ابن حجر نے محمد بن جریر بن یزید الطبری رحمہ اللہ (متوفی ۳۱۰ھ) سے نقل کیا کہ
"والصواب أن المراد من الخبر لزوم الجماعة الذين في طاعة من اجتمعوا علٰى تأميره فمن نكث بيعته خرج عن الجماعة ، قال :و فی الحديث أنه متى لم يكن للناس إمام فافترق الناس أحزابًا فلا يتبع أحدًا فی الفرقة و يعتزل الجميع إن استطاع ذلك ... " اور صحیح یہ ہے کہ (اس) حدیث سے مراد اس جماعت کو لازمی پکڑنا ہے جو اس (امام) کی امارت پر جمع ہوتے ہیں، پس جس نے اپنی بیعت توڑ دی وہ جماعت سے خارج ہو گیا۔ فرمایا: اور حدیث میں (یہ بھی) ہے کہ اگر لوگوں کا امام (امیر بالاجماع) نہ ہو اور لوگوں نے پارٹیاں بنا رکھی ہوں تو دورِ اختلاف میں کسی ایک کی اتباع نہ کرے اور اگر طاقت ہو تو تمام (پارٹیوں) سے علیحدہ رہے۔
(فتح الباری ۱۳/ ۳۶ شاملہ)

شارح صحیح البخاری علامہ علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال القرطبی (متوفی ۴۴۹ھ) نے فرمایا: " و فيه حجة لجماعة الفقهاء في وجوب لزوم جماعة المسلمين و ترك القيام علٰى أئمة الجور " اور اس (حدیث) میں جماعت فقہاء کی دلیل ہے کہ مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑنا چاہیئے اور ظالم حکمرانوں کے خلاف خروج نہیں کرنا چاہیئے۔ (شرح صحیح بخاری لابن بطال ۱۰/ ۳۳ شاملہ)

حافظ ابن حجر نے اس حدیث کے ایک ٹکڑے کی تشریح میں فرمایا:

" وهو كناية عن لزوم جماعة المسلمين و طاعة سلاطينهم ولو عصوا " اور یہ اشارہ ہے کہ مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑا جائے اور مسلمانوں کے سلاطین (حکمرانوں) کی اطاعت کی جائے، اگرچہ وہ نافرمانیاں کریں۔ (فتح الباری ۱۳/ ۳۶ شاملہ)

شارحینِ حدیث (ابن جریر طبری، قاضی بیضاوی، ابن بطال اور حافظ ابن حجر) کی ان

تشریحات (فہمِ سلف صالحین) سے ثابت ہوا کہ حدیث مذکور (تلزم جماعۃ المسلمین و اِمامھم) سے مروجہ جماعتیں اور پارٹیاں (مثلاً مسعود احمد بی ایس سی کی جماعت المسلمین رجسٹرڈ) مراد نہیں بلکہ مسلمین (مسلمانوں) کی متفقہ خلافت اور اجماعی خلیفہ مراد ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ ((من مات و لیس له إمام مات میتة جاھلیة)) جو شخص فوت ہو جائے اور اس کا امام (خلیفہ) نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے۔

(صحیح ابن حبان ۱۰/۴۳۴ ح ۴۵۷۳ وھو حدیث حسن)

اس حدیث کی تشریح میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنے ایک شاگرد سے فرمایا: کیا تجھے پتا ہے کہ (اس حدیث میں) امام کسے کہتے ہیں؟ (امام وہ ہے) جس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہو جائے (اور) ہر آدمی یہی کہے کہ یہ امام (خلیفہ) ہے۔

پس اس حدیث کا یہی معنی ہے۔ (سوالات ابن ہانی: ۲۰۱۱، تحقیقی مقالات ۱/۴۰۳)

اس تشریح سے بھی یہی ثابت ہے کہ ''و إمامھم'' سے مراد وہ امام (خلیفہ) ہے، جس کی خلافت پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہو چکا ہو اور اگر کسی پر پہلے سے ہی اختلاف ہو تو وہ اس حدیث میں مراد نہیں، لہٰذا فرقۂ مسعودیہ (''جماعت المسلمین رجسٹرڈ'') کا اس حدیث سے اپنی خود ساختہ و نوزائدہ فرقی مراد لینا غلط، باطل اور بہت بڑا افراڈ ہے۔

آپ ان لوگوں سے پوچھیں کہ کیا کسی ثقہ و صدوق امام، محدث، شارح یا عالم نے زمانۂ خیر القرون، زمانۂ تدوینِ حدیث اور زمانۂ شارحین حدیث (پہلی صدی سے نویں صدی ہجری تک) میں اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ جماعت المسلمین سے خلافت مراد نہیں اور امامھم سے خلیفہ مراد نہیں، بلکہ کاغذی رجسٹرڈ جماعت اور اس کا کاغذی بے اختیار امیر مراد ہے؟ اگر اس کا کوئی ثبوت ہے تو پیش کریں، ورنہ عامۃ المسلمین کو گمراہ نہ کریں۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے محترم ابو جابر عبداللہ دامانوی حفظہ اللہ کی کتاب: ''الفرقة الجدیدة''

(ملنے کا پتا: ڈاکٹر ابو جابر دامانوی حفظہ اللہ بلاک ۳۸ مکان ۶۴۷ کیماڑی۔ کراچی، پوسٹ کوڈ: 75620)

(۲۴/ستمبر ۲۰۱۱ھ، جامعۃ الامام البخاری، مقام حیات سرگودھا)

حافظ زبیر علی زئی

مسئلہ رفع یدین اور مزاری دیوبندی کے شبہات

مری سے تحمل حسین صاحب نے ایک چار ورقی پمفلٹ: ''مسئلہ رفع یدین'' کے عنوان سے بھیجا ہے، جسے کسی دوست محمد مزاری دیوبندی نے لکھا ہے اور محمد رفیع عثمانی دیوبندی نے اس پمفلٹ کی تصدیق کی ہے، نیز محمد تقی عثمانی، محمد عبدالمنان اور عبدالرؤف وغیرہم نے ''الجواب صحیح'' لکھ کر اس پر مُہریں لگائی ہیں۔ تحمل حسین صاحب کے مطالبے پر اس پمفلٹ کا جواب پیشِ خدمت ہے:

مزاری دیوبندی نے لکھا ہے: ''نماز میں رفع یدین کرنا نہ کرنا دونوں ثابت ہیں۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیق حضرت عمر فاروقؓ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت براء بن عازبؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت جابر بن مسعودؓ اور دیگر کئی اجلّہ (بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل مدینہ واہل کوفہ ترک رفع یدین پر عامل رہے۔''

عرض ہے کہ کرنا تو ثابت ہے اور نہ کرنا ہرگز ثابت نہیں، جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: ''ہم نے حجاز وعراق کے جتنے محقق علماء کو پایا ہے (مثلاً) ان میں عبداللہ بن الزبیر (الحمیدی) علی بن عبداللہ بن جعفر (المدینی) یحییٰ بن معین، احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ ہیں۔ یہ اپنے زمانے کے (بڑے) علماء تھے، ان میں سے کسی ایک کے پاس بھی ترکِ رفع یدین کا علم نہ تو نبی ﷺ سے (ثابت) ہے اور نہ نبی ﷺ کے کسی صحابی سے کہ اس نے رفع یدین نہیں کیا۔'' (جزء رفع الیدین بتحقیقی: ۴۰ص ۶۴)

امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے مزید فرمایا: ''اور نبی ﷺ کے صحابہ میں سے کسی ایک سے بھی یہ ثابت نہیں کہ وہ رفع یدین نہیں کرتا تھا۔'' (جزء رفع الیدین: ۷۶)

امام بخاری کے مقابلے میں مزاری کی بات کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ مزاری کے ذکر کردہ کسی ایک صحابی سے بھی ترکِ رفع یدین ثابت نہیں، بلکہ درج ذیل صحابہ رضی اللہ عنہم

سے رفع یدین کا کرنا ثابت ہے:

۱: سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۲/۷۳ ورجالہ ثقات وسندہ صحیح)

۲: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۳۵ ح ۲۴۳۱ وسندہ حسن)

ان کے علاوہ درج ذیل صحابہ سے بھی رفع یدین ثابت ہے:

۳: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (صحیح بخاری: ۷۳۹)

۴: سیدنا مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ (صحیح بخاری: ۷۳۷ وصحیح مسلم: ۳۹۱)

۵: سیدنا ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ (الاوسط لابن المنذر ۳/۱۳۸، وسندہ صحیح)

۶: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ (جزء رفع الیدین: ۲۰ وسندہ صحیح)

۷: سیدنا عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ (السنن الکبریٰ ۲/۷۳ وسندہ صحیح)

۸: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (جزء رفع الیدین: ۲۲ وسندہ صحیح)

۹: سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ (شرح سنن الترمذی لابن سید الناس ۴/۳۹۰)

۱۰: سیدنا جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ (مسند السراج: ۹۲ وسندہ حسن)

۱۱: سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی بیوی سیدہ ام الدرداء رحمہا اللہ (جزء رفع الیدین: ۲۵ وسندہ حسن)

اور یہ ظاہر ہے کہ ام الدرداء نے اپنے شوہر سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے ہی نماز سیکھی ہوگی۔

رفع یدین پر صحابۂ کرام کے ان آثارِ متواترہ کے بعد تابعین عظام کے دس سے زیادہ آثار پیشِ خدمت ہیں:

۱: محمد بن سیرین الانصاری البصری رحمہ اللہ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۳۵ ح ۲۴۳۶ وسندہ صحیح)

۲: ابوقلابہ البصری الشامی رحمہ اللہ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۳۵ ح ۲۴۳۷ وسندہ صحیح)

۳: وھب بن منبہ الیمانی رحمہ اللہ

(التمہید لابن عبدالبر ۹/۲۲۸ وسندہ صحیح، مصنف عبدالرزاق ۲/۶۹ ح ۲۵۲۴)

۴: سالم بن عبداللہ بن عمر المدنی رحمہ اللہ

(حدیث السراج ۲/۳۴-۳۵ ح ۱۱۵، وسندہ صحیح، جزء رفع الیدین ۶۲ وسندہ حسن)

۵: قاسم بن محمد بن ابی بکر المدنی رحمہ اللہ (جزء رفع الیدین:۶۲ وسندہ حسن)

۶: عطاء بن ابی رباح المکی رحمہ اللہ (جزء رفع الیدین:۶۲ وسندہ حسن)

۷: مکحول الشامی رحمہ اللہ (جزء رفع الیدین:۶۲ وسندہ حسن)

۸: نعمان بن ابی عیاش الانصاری المدنی رحمہ اللہ (جزء رفع الیدین:۵۹ وسندہ حسن)

۹: طاؤس الیمنی رحمہ اللہ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۷۴/۲ وسندہ صحیح)

۱۰: سعید بن جبیر الکوفی رحمہ اللہ (السنن الکبریٰ ۷۵/۲ وسندہ صحیح)

۱۱: قاسم بن مخیمرہ الہمدانی الکوفی رحمہ اللہ (جزء رفع الیدین:۶۰ وسندہ صحیح)

۱۲: حسن بصری رحمہ اللہ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲۳۵/۱ ح ۲۴۳۵ وسندہ صحیح)

مکہ، مدینہ، یمن، شام، ہمدان، کوفہ اور عراق وغیرہ کے رہنے والے صحابہ و تابعین کے ان آثارِ متواترہ کے بعد مزاری کا مذکورہ بے دلیل دعویٰ باطل و مردود ہے۔ ائمہ اربعہ میں سے تین امام رفع یدین کے قائل وفاعل تھے۔

۱: امام مالک المدنی رحمہ اللہ (تاریخ دمشق لابن عساکر ۱۳۴/۵۵، وسندہ حسن)

امام ابوالعباس القرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تین مقامات پر رفع یدین کرنا امام مالک کا آخری اور سب سے صحیح قول ہے۔ (دیکھئے المفہم ج۲ص۱۹، طرح التثریب ج۱ص۲۵۴ واللفظ لہ)

امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''و به يقول مالك و معمر و الأوزاعي و عبدالله بن المبارك و الشافعي و أحمد و إسحاق'' اور اس (رفع یدین) کے قائل مالک (بن انس المدنی)، معمر (بن راشد الیمنی)، اوزاعی (شامی)، عبداللہ بن المبارک (المروزی المجاہد)، شافعی (المطلبی المکی المصری)، احمد (بن حنبل المروزی البغدادی) اور اسحاق (بن راہویہ المروزی المجتہد) ہیں۔ (سنن ترمذی مع عارضۃ الاحوذی ج۲ص۵۷ ح۲۵۶)

امام مالک سے ترکِ رفع یدین ثابت نہیں اور مدوّنہ نامی کتاب بے سند وغیر مستند ہونے کی وجہ سے ناقابلِ اعتبار ہے۔

۲: امام شافعی رحمہ اللہ (کتاب الام ج۱ص۱۰۴)

۳: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (مسائل امام احمد ص ۷۰ وروایۃ ابی داود ص ۳۳ وغیرہما)

مزاری دیوبندی نے لفاظی کرتے ہوئے مختلف باتیں لکھی ہیں اور بعض جگہ صریح غلط بیانی بھی کی ہے، مثلاً لکھا ہے: ''چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمیں چھ دفعہ رفع یدین کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔''

عرض ہے کہ ایسی کوئی روایت ہمارے علم میں نہیں ہے۔

مزاری صاحب نے ادھر اُدھر کی باتیں اور بے سند کلام کے بعد لکھا ہے:

''رفع یدین اور ترک رفع یدین پر چند حدیثیں نقل کی جاتی ہیں:''

عرض ہے کہ مزاری صاحب کی روایات مذکورہ پر تبصرہ درج ذیل ہے:

۱) ''عن مجاهد قال: صلّيت خلف ابن عمر فلم يرفع يديه إلا في التكبيرة الأولى من الصلوة'' (بحوالہ طحاوی ص ۱۱۰ ج ۱)

روایتِ مذکورہ میں ابوبکر بن عیاش صدوق حسن الحدیث وثقہ الجمہور راوی کو غلطی لگ گئی تھی، جیسا کہ محدثین کے اجماع سے ثابت ہے اور اجماع شرعی حجت ہے۔

۱: اس روایت کے بارے میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ باطل ہے۔

(مسائل احمد، روایۃ ابن ہانی ۱/۵۰ فقرہ: ۲۳۷)

۲: امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ روایت ابوبکر (بن عیاش) کا وہم ہے، اس روایت کی کوئی اصل نہیں ہے۔ (جزء رفع الیدین: ۱۶، نصب الرایہ ۱/۳۹۲)

۳: امام دارقطنی رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ ابوبکر (بن عیاش) یا حصین کا وہم ہے۔

(العلل الواردہ ج ۱۳ ص ۱۶، سوال ۲۹۰۲)

۲) ''عن ابن عمرؓ ان رسول الله ﷺ كان اذا افتتح الصلوٰة رفع يديه حذو منكبيه و اذا رفع رأسه من الركوع رفعهما كذلك ايضًا''

(موطأ امام مالک ص ۵۹)

یحییٰ بن یحییٰ رحمہ اللہ راوی کی بیان کردہ موطأ امام مالک کی اس روایت کا مفہوم درج

ذیل ہے:

رسول اللہ ﷺ شروع نماز میں اور رکوع سے سر اٹھانے کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔

دوسرے راوی عبدالرحمٰن بن القاسم کی بیان کردہ موطأ امام مالک کی اس روایت کے الفاظ اور مفہوم درج ذیل ہے:

"أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ وَإِذَا كَبَّرَ لِلرُّكُوعِ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ رَفَعَهُمَا كَذٰلِكَ. وَقَالَ: ((سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ.)) وَكَانَ لَا يَفْعَلُ ذٰلِكَ فِي السُّجُودِ. (سیدنا) ابن عمر (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے تو اپنے دونوں کندھوں تک رفع یدین کرتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو اسی طرح رفع یدین کرتے اور فرماتے: ((سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ)) اللہ نے اس کی سن لی جس نے اس کی حمد بیان کی۔ ((رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ)) اے ہمارے رب! اور سب تعریفیں تیرے لئے ہیں، اور آپ (ﷺ) سجدوں میں رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

(موطأ امام مالک بتحقیقی ص ۱۳۶۔۱۳۷ ح ۵۹ روایۃ ابن القاسم)

ثابت ہوا کہ اس حدیث میں تین جگہ رفع یدین ثابت ہے، جبکہ یحییٰ بن یحییٰ کی روایت میں دو جگہ لکھا ہوا ہے، یعنی تیسری دفعہ والا رہ گیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ حدیث کی تمام سندیں جمع کر کے مشترکہ مفہوم پر عمل کرنا چاہئے۔

دوسرے یہ کہ مزاری صاحب اور عام دیوبندیوں کا رکوع سے بعد والے رفع یدین پر بھی عمل نہیں، لہٰذا وہ کس وجہ سے اس روایت کو پیش کرتے ہیں؟!

۳) مزاری صاحب نے اس نمبر کے تحت صحیح بخاری (ص ۱۰۲ ج ۱) کی جو حدیث پیش کی ہے، اس کا ترجمہ و مفہوم پیشِ خدمت ہے: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، آپ جب نماز میں کھڑے ہوئے تو کندھوں تک رفع یدین کیا، آپ رکوع کے لئے تکبیر کہتے وقت ایسا ہی کرتے تھے اور جب رکوع سے سر اُٹھاتے تو ایسا ہی (یعنی رفع یدین) کرتے تھے۔

یہ اہلِ حدیث کی زبردست دلیل ہے اور دیوبندیوں کا عمل اس کے سراسر خلاف ہے۔

۴) مزاری صاحب نے اس نمبر کے تحت بخاری شریف (ص۱۰۲ ج۱) کی جو روایت پیش کی ہے، اس کا ترجمہ و مفہوم درج ذیل ہے:

ابن عمر (رضی اللہ عنہ) جب نماز میں داخل ہوتے تو تکبیر کہتے اور رفع یدین کرتے، جب رکوع کرتے تو رفع یدین کرتے اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو رفع یدین کرتے اور جب دو رکعتوں سے کھڑے ہوتے تو رفع یدین کرتے تھے۔

عرض ہے کہ یہ حدیث بالکل صحیح ہے اور اہلِ حدیث یعنی اہلِ سنت کی زبردست دلیل ہے اور ہمارا اس پر چار یا تین رکعتوں والی نماز میں عمل ہے۔ والحمدللہ

اس صحیح حدیث کو اوکاڑوی اور گھمن پارٹی کا امام ابوداود وغیرہ بعض علماء کے شاذ و مرجوح اقوال کی مدد سے ضعیف ثابت کرنے کی کوشش کرنا مردود ہے اور زمانۂ تدوینِ حدیث کے بعد ایسی جرح صحیح بخاری پر حملہ بھی ہے۔

۵) **"عن ابن عمر ان النبی ﷺ کان یرفع یدیہ عند التکبیر للرکوع و عند التکبیر حین یھوی ساجداً"** (مجمع الزوائد ص۱۰۲ ج۲)

اس روایت میں دو مقامات پر رفع یدین کا ذکر ہے:

۱: رکوع سے پہلے تکبیرِ رکوع کے وقت رفع یدین

۲: سجدے کے لئے جھکنے کے لئے تکبیر (اللہ اکبر) کے وقت (یعنی رکوع کے بعد قومہ میں) رفع یدین

۶) **"عن ابن عمر ان النبی ﷺ کان یرفع یدیہ عند کل خفض، ورفع، و رکوع، و سجود، و قیام، و بین السجدتین"** (مشکل الآثار ص۱۸۵ ج۲)

عرض ہے کہ طحاوی حنفی نے یہ روایت بیان کر کے درج ذیل فیصلہ لکھ دیا ہے:

"و کان ھذا الحدیث من روایۃ نافع شاذاً لما رواہ عبید اللہ"

عبیداللہ نے جو روایت کیا ہے تو یہ روایت نافع کی سند سے شاذ ہے۔

(مشکل الآثار ج ۱۵ ص ۴۷ ح ۵۸۳۱)

حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ نے اس روایت کے بارے میں فرمایا:

" و هذه رواية شاذة " یہ روایت شاذ ہے۔ (فتح الباری ۲/ ۲۲۳ تحت ح ۷۳۹)

شاذ روایت ضعیف ہوتی ہے، جیسا کہ اُصولِ حدیث میں مقرر ہے، لہٰذا یہ روایت ضعیف و نا قابلِ حجت ہے۔

۷) " عن الأسود قال :رأيتُ عمر بن الخطاب رضي الله عنه يرفع يديه في اول تكبيرة ثم لا يعود " (طحاوی کی کتاب: شرح معانی الآثار ص ۱۱۱ ج ۲)

عرض ہے کہ اس روایت کی سند میں ابراہیم نخعی مدلس ہیں اور یہ روایت عن سے ہے۔ اصولِ حدیث کا مشہور مسئلہ ہے کہ مدلس کی عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے، لہٰذا یہ روایت نا قابلِ حجت ہے۔ دوسرے یہ کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے رفع یدین کا عمل ثابت ہے، لہٰذا یہ روایت ضعیف ہونے کے ساتھ منکر بھی ہے۔ (عمل کے لئے دیکھئے شرح سنن ترمذی لابن سید الناس ج ۴ ص ۳۹۰، انھوں نے الخلافیات للبیہقی سے نقل کیا ہے اور اس حدیث کے بہت سے شواہد بھی ہیں جن کے ساتھ یہ صحیح کے درجے تک پہنچ جاتی ہے۔)

۸) " ان علياً رضي الله عنه كان يرفع يديه فى اول تكبيرة من الصلٰوة ثم لا يرفع بعد" (طحاوی ص ۱۱۰ ج ۱)

محدثین نے بغیر کسی اختلاف کے اس روایت پر جرح کی ہے، مثلاً:

۱: امام عثمان بن سعید الدارمی نے اسے کمزور کہا۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۲/ ۸۰۔۸۱)

۲: امام شافعی نے غیر ثابت کہا۔ (السنن الکبریٰ ۲/ ۸۱)

۳: امام احمد نے گویا اس کا انکار کیا۔ (المسائل لاحمد ۱/ ۲۴۳)

ہمارے علم کے مطابق زمانۂ تدوینِ حدیث میں کسی ایک محدث سے بھی اس روایت کا صحیح یا حسن ہونا ثابت نہیں، لہٰذا جرح مذکور سے ثابت ہوا کہ ابوبکر النہشلی (صدوق حسن الحدیث وثقہ الجمہور) راوی کو وہم ہوا ہے اور وہم والی روایت ضعیف و مردود ہوتی ہے۔

۹) ”عن البراء بن عازب ان رسول اللّٰہ ﷺ کان اذا افتتح الصلوٰۃ رفع یدیہ الی قریب من اذنیہ ثم لا یعود “ (سنن ابی داود ص ۱۰۹ ج ۱)

عرض ہے کہ اس روایت کی سند میں یزید بن ابی زیاد راوی ہے، اسے جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (دیکھئے زوائد ابن ماجہ للبوصیری: ۲۱۱۶، اور ہدی الساری لابن حجر ص ۴۵۹)

صحیح مسلم میں اس کی روایات متابعات میں ہیں اور امام اہلِ سنت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا: ”حدیثہ لیس بذاك “ اس کی حدیث قوی نہیں ہے۔

(کتاب العلل ومعرفۃ الرجال ۲/۳۳)

۱۰) ”عن علقمۃ عن عبد اللّٰہ قال: الا اخبر کم بصلوۃ رسول اللّٰہ ﷺ قال: فقام فرفع یدیہ اول مرۃ ثم لم یعد “ (بحوالہ نسائی وترمذی)

عرض ہے کہ اس کی سند میں سفیان ثوری راوی ہیں، جو کہ مدلس تھے۔

(دیکھئے الجوہر النقی لابن الترکمانی ج ۸ ص ۲۶۲ وقال: ”الثوري مدلس و قد عنعن“)

عینی حنفی نے کہا: سفیان (ثوری) مدلسین میں سے ہیں اور مدلس کی عن والی روایت حجت نہیں ہوتی اِلا یہ کہ دوسری سند سے سماع کی تصریح ثابت ہو جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۱۱۲)

یہ روایت بھی عن سے ہے، کسی سند میں سماع کی تصریح نہیں، لہٰذا ضعیف ہے اور بعض علماء کا اسے حسن یا صحیح قرار دینا غلط ہے۔

۱۱) ”عن عباد بن زبیر قال: ان رسول اللّٰہ ﷺ کان اذا افتتح الصلوٰۃ رفع یدیہ الی قریب من اذنیہ ثم لا یعود “ (بحوالہ البیہقی فی الخلافیات ص ۴۰ ج ۱)

عرض ہے کہ اس روایت کی سند تین وجہ سے ضعیف ہے:

۱: حفص بن غیاث مدلس تھے اور یہ روایت عن سے ہے۔ یاد رہے کہ غیر صحیحین میں مدلس کی عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے۔

۲: محمد بن اسحاق کا تعین نامعلوم ہے۔

۳: عباد بن زبیر کا تعین نامعلوم ہے اور اگر اس سے عباد بن عبد اللہ بن الزبیر مراد لیا

جائے تو یہ روایت مرسل یعنی منقطع ہے اور مرسل روایت جمہور محدثین کے نزدیک مردود ہے۔ (دیکھئے الفیۃ العراقی ص ۱۴۳، یہ اصولِ حدیث کی ایک مشہور کتاب ہے۔)

۱۲) عن ابن عباس عن النبی ﷺ ترفع الایدی فی سبعة مواطن ، افتتاح الصلٰوة، واستقبال البیت، و الصفاء ، و المروة ، والموقفین، وعند الحجر "

(مجمع الزوائد ص ۱۰۳ ج ۲)

مجمع الزوائد میں اسی روایت کے فوراً بعد لکھا ہوا ہے:

" **و فیه ابن ابی لیلٰی وهو سيئ الحفظ** " اور اس میں ابن ابی لیلیٰ ہے اور وہ بُرے حافظے والا راوی ہے۔ (ج ۲ ص ۱۰۳ سطر ۸۔۹)

اس جرح کو مزاری صاحب اور "مفتیان" دیوبند نے کیوں چھپالیا ہے؟

دیوبندیوں کے مشہور "عالم" انور شاہ کشمیری صاحب نے محمد بن ابی لیلیٰ کے بارے میں کہا:

"**فهو ضعيف عندي كما ذهب إليه الجمهور** " پس وہ میرے نزدیک ضعیف ہے، جیسا کہ جمہور کا مذہب ہے۔ (دیکھئے فیض الباری ج ۳ س ۱۶۸)

نیز دیکھئے میری کتاب: نور العینین فی مسئلہ رفع الیدین (ص ۸۹۔۹۰)

جمہور کے نزدیک ضعیف راوی کی روایت اہلِ حدیث کے خلاف پیش کرنا کس "دارالافتاء" کا انصاف ہے؟!

۱۳) " عن جابر بن سمرة قال خرج علینا رسول اللهﷺ فقال : مالي اراكم رافعی ایدیکم کانها اذناب خیل شمس اسکنوا فی الصلوة "

(صحیح مسلم ص ۱۸۱ ج ۱)

عرض ہے کہ اس روایت کو رکوع سے پہلے اور بعد والے رفع یدین کے خلاف پیش کرنا ظلمِ عظیم ہے۔

محمد تقی عثمانی دیوبندی (جن کا دیوبندی سنجیدہ حلقے میں بڑا مقام ہے) نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا ہے: "لیکن انصاف کی بات یہ ہے کہ اس حدیث سے حنفیہ کا

استدلال مشتبہ اور کمزور ہے'' (درس ترمذی ج ۲ ص ۳۶)

تقی عثمانی صاحب سے پہلے محمود حسن دیوبندی (جنھیں آلِ دیوبند شیخ الہند کہتے ہیں) نے فرمایا: ''باقی اذناب خیل کی روایت سے جواب دینا بروئے انصاف درست نہیں کیونکہ وہ سلام کے بارہ میں ہے'' (الورد الشذی ص ۶۳)

معلوم ہوا کہ مزاری صاحب اپنے علماء کے نزدیک بھی بے انصاف ہیں اور مشتبہ و کمزور سے استدلال کرنے والے ہیں۔

مجھے سخت حیرت ہے کہ تقی عثمانی نے اپنی زبان سے کہی ہوئی مذکورہ بالا بات کے باوجود اس مزاری فتوے پر ''الجواب صحیح'' لکھ کر دستخط کر دیئے اور مہر لگا دی۔ انھیں چاہئے تھا کہ کم از کم اس چار ورقی فتوے کو خود پڑھ لیتے، یا یہ کہ ان کے دستخط اور مہر جعلی ہیں؟!

یاد رہے کہ تقی عثمانی نے حبیب اللہ ڈیروی دیوبندی کے مسلسل اصرار کے باوجود اپنے مذکورہ موقف سے کوئی رجوع نہیں کیا تھا۔ (دیکھئے نور الصباح حصہ دوم ص ۳۲۲، ۳۲۴، ۳۲۸)

مزاری صاحب کے اس مصوّرہ (ومطبوعہ) فتوے سے ثابت ہوا کہ ''مفتی'' بنے ہوئے ''حضرات'' کے پاس ترکِ رفع یدین کی کوئی صحیح یا حسن لذاتہ دلیل نہیں، ورنہ ضعیف و غیر متعلقہ روایات پیش کرنے کی کیا ضرورت تھی؟!

آخر میں عرض ہے کہ رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد والا رفع یدین رسول اللہ ﷺ، صحابۂ کرام، جمہور تابعین اور سلف صالحین سے ثابت ہے اور ترکِ رفع یدین نہ تو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اور نہ کسی صحابی سے، لہٰذا ضد چھوڑ کر کتاب وسنت والا راستہ اپنانا چاہئے۔

سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نماز میں جو شخص اشارہ کرتا ہے، اُسے ہر اشارے کے بدلے میں ایک نیکی یا ایک درجہ ملتا ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۰۳، وقال: رواہ الطبرانی و إسنادہ حسن)

اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ ہر رفع یدین پر دس نیکیاں ملتی ہیں۔ کیا کسی حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ ہر ترکِ رفع یدین پر دس نیکیاں ملتی ہیں؟! اگر آیا ہے تو پیش کریں۔!

(۲۳/ فروری ۲۰۱۱ء)

ردِ بریلویت

ابو عبداللہ شعیب محمد (سیالکوٹ)

الجزء المفقود: قائلین کی زبانی ایک جائزہ

کچھ عرصہ قبل ایک خاص مکتبہ فکر کی جانب سے اپنے غیر ثابت عقائد ونظریات کو سندِ جواز اور سہارا دینے کی خاطر ایک مجہول مخطوطے کی بنیاد پر پہلے عربی زبان میں "الجزء المفقود من الجزء الاول من المصنف" اور پھر اردو زبان میں "مصنف عبدالرزاق کی پہلی جلد کے دس گم گشتہ ابواب" کے نام سے نسخے چھاپے گئے۔ دعویٰ یہ کیا گیا کہ نبی ﷺ کے نور اور عدم سایہ سے متعلق روایات اپنی صحیح اسناد کے ساتھ دستیاب ہوگئی ہیں۔ چنانچہ عبدالحکیم شرف قادری بریلوی نے لکھا ہے:

"لیجئے محافل میلاد مصطفی ﷺ کی زینت بننے والی "حدیث نور" اور سرکار دو عالم ﷺ کے تاریک سائے کی نفی کرنے والی روایت اپنی صحیح سند اور پوری آب وتاب کے ساتھ آپ کے سامنے ہے....." (مصنف عبدالرزاق...گم گشتہ ابواب ص ۲۱)

اس مخطوطے کی تلاش اور اس کی اشاعت کرنے والے کا تعارف کرواتے ہوئے کہا گیا: "یہ قابل صد رشک سعادت فاضل جلیل ڈاکٹر عیسیٰ مانع حمیری مدظلہ العالی، سابق ڈائریکٹر محکمہ اوقاف وامور اسلامیہ، دبئ و پرنسپل امام مالک کالج برائے شریعت وقانون، دبئ کے حصے میں آئی کہ وہ "مصنف" کا نادر ونایاب اور ابتدا سے مکمل نسخہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔" (مصنف عبدالرزاق...گم گشتہ ابواب ص ۳۰)

اس نام نہاد نادر ونایاب نسخے اور مخطوطے کی حقیقت تو اسی وقت علمائے حق نے بیان کر دی تھی جس کی مکمل تفصیل کتاب "جعلی جزء کی کہانی اور علمائے ربانی" میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ اس میں تفصیلی دلائل کے ساتھ علماء ومحققین نے اس نسخے اور مخطوطے کا جعلی ہونا ثابت کیا جس کی بنیاد پر یہ ساری کہانی گھڑی گئی تھی۔ فی الحال قارئین کی خدمت میں، اس نسخے اور اس کے چھاپنے والوں کی اپنی زبانی ایک جائزہ پیش خدمت ہے، تاکہ معلوم ہو

سکے کہ اس نسخے کی بنیاد پر بڑے بڑے دعوے کرنے والے دلائل کے میدان میں کس قدر تہی دامان ہیں۔

۱) اس نسخے کی پہلی روایت کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

''بے شک اللہ تعالیٰ نے ایک درخت پیدا فرمایا جس کی چار شاخیں تھیں، اس کا نام ''یقین کا درخت'' رکھا، پھر نور مصطفیٰ ﷺ کو سفید موتی کے پردے میں پیدا کیا....''

(مصنف عبدالرزاق... گم گشتہ ابواب ص ۸۷)

مخالفین تو اس نسخے کو صحیح مانتے ہی نہیں بلکہ جعلی قرار دیتے ہیں، لیکن اس نسخے کو صحیح ماننے والوں کی خدمت میں عرض ہے کہ اس نسخے کی سب سے پہلی روایت میں اس بات کی صاف تصریح موجود ہے کہ نبی ﷺ کے نور سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ایک درخت پیدا فرمایا۔ یہ بات نہ صرف اس حدیث جابر رضی اللہ عنہ کے خلاف ہے جس کی خاطر اس نسخے کو چھاپا گیا بلکہ ان حضرات کے اس متفقہ عقیدے کے بھی صریح خلاف ہے کہ نبی ﷺ اول الخلق ہیں۔

چنانچہ ڈاکٹر عیسیٰ بن مانع الحمیری نے کہا:

''ہم پر یہ حقیقت بھی منکشف ہوگئی کہ ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سب سے پہلی مخلوق ہیں....'' (مصنف عبدالرزاق... گم گشتہ ابواب ص ۴۴۔۴۵)

جنابِ عالی! آپ پر جو حقیقت منکشف ہوئی ہے وہ خود آپ کے پیش کیے گئے نسخے کی پہلی روایت کے ہی خلاف ہے۔ افسوس کہ

؎ جن پہ تکیہ تھا وہی 'نسخے' ہوا دینے لگے !!!

اعتراض: ''مصنف کی پہلی حدیث ایک صحابی کا قول ہے اور حدیث موقوف ہے مرفوع نہیں ہے۔'' (مصنف عبدالرزاق... گم گشتہ ابواب ص ۱۶۷)

الجواب: بریلویوں کے ''فقیہ اعظم ہند علامہ مفتی شریف الحق امجدی'' نے لکھا: ''حکماً مرفوع یہ ہے کہ کوئی صحابی جو کتب سابقہ سے خبر نہ دے رہا ہو ایسی خبر جس میں عقل کو دخل نہ ہو جسے بغیر حضور کے سنے نہ جانا جا سکتا ہو مثلاً گذشتہ واقعات کی خبر دینا....''

(مقدمہ نزہۃ القاری شرح بخاری بحوالہ ترکِ رفع یدین مئولفہ غلام مصطفیٰ نوری بریلوی ص ۵۲)

لہٰذا عرض ہے کہ اس نسخے کی پہلی روایت ہی بریلویوں کے متفقہ عقیدے کے خلاف ہے جسے موقوف قرار دے کر جان نہیں چھڑائی جاسکتی، کیونکہ وہ حکماً مرفوع ہی قرار پاتی ہے۔

۲) ڈاکٹر عیسیٰ بن مانع الحمیری نے جس مخطوطے سے اس نسخے کو چھاپا، اس کا تعارف کرواتے ہوئے خود فرماتے ہیں:

''میرے پاس جو مخطوطہ ہے وہ ایک قدیم اصل سے نقل کیا گیا ہے، میں نے اس اصل تک پہنچنے اور حاصل کرنے کی کوشش کی بصورت دیگر اس کی فوٹو کاپی ہی مل جائے تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ اصل مخطوطہ ان جنگوں میں ضائع ہو گیا جو کچھ عرصہ قبل افغانستان کے شہروں میں لڑی گئی ہیں....'' (مصنف عبدالرزاق...گم گشتہ ابواب ص ۱۷۴)

لیجئے قصہ ہی ختم، گویا جس مخطوطے سے یہ نسخہ چھاپا گیا، اس کی حقیقت بھی یہ ہے کہ اصل مخطوطہ اس دنیا میں اب موجود ہی نہیں اور معاملہ صرف نقل در نقل پر ہی چل رہا ہے۔

حیرت کی بات ہے کہ ایسے مجہول، خیالی اور تصوراتی نسخے کے سہارے اپنے عقائد کو ثابت کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ بریلوی حضرات سے گزارش ہے کہ اس سلسلے میں اپنے ''اعلیٰ حضرت'' احمد رضا خان بریلوی کا یہ اصول ملاحظہ فرمائیں:

''کسی الماری میں کوئی قلمی کتاب ملے اُس میں کچھ عبارت ملنی دلیل شرعی نہیں کہ بے کم وبیش مصنف کی ہے پھر اس قلمی نسخہ سے چھاپا کریں تو مطبوعہ نسخوں کی کثرت کثرت نہ ہوگی اور ان کی اصل وہی مجہول قلمی ہے....'' (فتاویٰ رضویہ ج ۲۹ ص ۲۲۵)

اپنے اعلیٰ حضرت کے اس اصول کے پیش نظر بریلوی حضرات بتائیں کہ وہ ایک مجہول قلمی نسخے کو ''الجزء المفقود....'' کے نام سے چھاپ چھاپ کر کیوں عوام کو دھوکا دے رہے ہیں؟ جبکہ آپ کے اعلیٰ حضرت کے درج بالا اصول کے مطابق بھی ایسے کسی مجہول قلمی نسخے کی کوئی عبارت شرعی دلیل نہیں ہے۔

۳) ڈاکٹر عیسیٰ بن مانع الحمیری لکھتے ہیں:

''یہ جونسخہ میں نے پیش کیا ہے اس کی ضرورت تھی اور اسلامی لائبریریوں کے لئے یہ سرمائے کی حیثیت رکھتا ہے، میرے نزدیک اس کی حیثیت اس حدیث **ضعیف** والی ہے جب کسی باب میں اس کے علاوہ حدیث دستیاب نہ ہو....''

(مصنف عبدالرزاق...گم گشتہ ابواب ص ۲۲۸۔۲۲۹)

ڈاکٹر عیسیٰ بن مانع الحمیری کے اس اعتراف کی عربی عبارت کاشف اقبال مدنی رضا خانی نے بھی پیش کررکھی ہے۔ دیکھئے علمی محاسبہ (ص ۱۹۱)

وہ مزید فرماتے ہیں: ''میرے نزدیک اس کی حیثیت وہ ہے جو اس حدیث **ضعیف** کی ہے جب کسی باب میں اس کے علاوہ کوئی حدیث نہ پائی جائے، قارئین اس میں سے جس حصے پر مطمئن ہوں اسے لے لیں اور جس سے مطمئن نہ ہوں اسے چھوڑ دیں۔''

(مصنف عبدالرزاق...گم گشتہ ابواب ص ۲۳۰۔۲۳۱)

ڈاکٹر عیسیٰ بن مانع الحمیری کے اس اقرار کی عربی عبارت بھی کاشف اقبال مدنی رضا خانی نے پیش کررکھی ہے۔ دیکھئے علمی محاسبہ (ص ۱۹۲)

یہ ہے اس سارے نسخے کی حقیقت جس کے سہارے اپنے باطل عقائد کو ثابت کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ خود اس نسخے کے پیش کرنے والوں کے نزدیک بھی اس کی حیثیت صرف ایک ضعیف حدیث کی سی ہے۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ اس ساری حقیقت کو جاننے کے باوجود عوام کو دھوکا دینے کے لیے اپنے نزدیک بھی ضعیف نسخے کے سہارے کیسے کیسے بلند بانگ دعوے کیے گئے۔ ملاحظہ فرمائیں:

''محافل میلاد میں بیان کی جانے والی حدیث نور اور حدیث نفی سایہ اپنی صحیح سندوں کے ساتھ منظر عام پر جگمگانے لگیں'' (سرورق، مصنف عبدالرزاق...گم گشتہ ابواب)

''جس نے نورانیت مصطفیٰ کے منافی عقیدہ اپنایا اس کے عقیدے کے غلط ہونے پر مصنف عبدالرزاق کی عالی سند والی حدیث صریح دلیل ہے۔'' (مصنف عبدالرزاق...گم گشتہ ابواب ص ۴۱)

''یہ بھی واضح ہوگیا کہ ''حدیث نور'' صحیح ہے....'' (مصنف عبدالرزاق...گم گشتہ ابواب ص ۴۴)

"قلمی نسخے کی پہلی جلد کا مطبوعہ نسخے کے ساتھ مقابلہ کرنے سے یہ حقیقت سامنے آئی ہے کہ قلمی نسخہ عام طور پر مطبوعہ نسخے سے زیادہ صحیح ہے۔" (مصنف عبدالرزاق... گم گشتہ ابواب ص ۴۸)

اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے بعد بھی کہ یہ نسخہ حدیث ضعیف کی حیثیت کا حامل ہے اس پورے ضعیف نسخے کی احادیث اور اسناد کو صحیح و عالی قرار دینا، صریح دھوکا دہی اور عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف ہے۔ اللہ ان لوگوں کو ہدایت دے، اور خود ساختہ عقائد اور اس کے لیے دلائل گھڑنے کے بجائے قرآن و سنت کو اپنانے کی توفیق دے۔

آمین یا ربّ العالمین

بعض علماء کا سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب حدیث بیان کرنا

مصنف عبدالرزاق کی طرف منسوب حدیث جابر رضی اللہ عنہ کی کوئی صحیح سند تو یہ "حضرات" کبھی پیش کر سکے ہیں اور نہ کبھی پیش کر سکیں گے، ان شاء اللہ۔ مگر اس سلسلے میں "ڈوبتے کو تنکے کا سہارا" کی بنیاد پر یہ مغالطہ دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اس روایت کو بہت سے علماء نے اپنی کتابوں میں درج کر رکھا ہے اور اس پر اعتماد کیا ہے، لہٰذا یہ روایت صحیح ہے۔

الجواب: اس سلسلے میں پہلی گزارش تو یہ ہے کہ محض کسی روایت کو اپنی کتاب میں درج کر دینا ہرگز اس کی دلیل نہیں کہ روایت کرنے والے کے نزدیک یہ صحیح بھی ہو یا اس کا عقیدہ و مذہب بھی اس کے مطابق ہو۔ چنانچہ بریلویوں کے مشہور پیر مہر علی شاہ گولڑوی نے لکھا ہے: "اصحابِ روایت کے مدِ نظر فقط روایت کے سلسلے کو بیان کرنا ہے جو اُن کو ملا۔ اس روایت کرنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اُن کا مذہب بھی یہی ہے۔" (سیفِ چشتیائی ص ۱۱۲)

دوسری بات یہ کہ بریلویوں کے "مناظر اسلام" غلام مصطفیٰ نوری بریلوی نے بے سند ذکرِ روایات پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا: "اس مقام پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ جو سب کہا ہے بے سند کہا ہے۔" (ترک رفع یدین ص ۴۶۹)

غلام مصطفیٰ نوری بریلوی نے ایک اور جگہ لکھا: ''امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اس اثر کی کوئی سند ذکر نہیں فرمائی.... اگر اس کی سند ذکر ہوتی تو اس کے لئے کچھ عرض کیا جاتا۔ بے سند باتوں کا کیا اعتبار ہے۔'' (ترکِ رفع یدین ص ۴۳۴)

جب امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری علیہ الرحمۃ کی ذکر کردہ بلاسند روایات کا کوئی اعتبار نہیں اور ان پر اعتراض کرنا بالکل درست ہے تو ان کے علاوہ اور کون ہے کہ جس کی بلاسند پیش کردہ روایت آنکھیں بند کر کے قبول کر لی جائے؟

پھر اگر علماء کا کسی روایت پر اعتماد کرنا ثابت بھی ہو تو بریلوی ''اعلیٰ حضرت'' احمد رضا خان قادری نے ایسی ایک روایت کے بارے میں کہا:

''اجلہ علماء نے اس پر اعتماد (کیا).... مگر تحقیق یہ ہے کہ وہ حدیث ثابت نہیں۔''

(ملفوظات، حصہ دوم ص ۲۴۰، فرید بک سٹال لاہور)

اس سے معلوم ہوا کہ کچھ علماء کا سہواً کسی حدیث کو صحیح قرار دینا یا اس پر اعتماد کر لینا اس حدیث کو صحیح نہیں بنا دیتا بلکہ عدم ثبوت کی صورت میں وہ غیر ثابت ہی قرار پائے گی، لہٰذا جب تک حدیث جابر کی صحیح سند پیش نہ کی جائے تب تک یہ حدیث غیر ثابت ہی رہے گی اور مختلف حیلے بہانوں سے اسے بطور دلیل ہرگز پیش نہیں کیا جا سکتا۔ خود بریلوی حضرات کے ''حکیم الامت'' احمد یار نعیمی کی مشہور کتاب 'جاء الحق' سے ایک لمبی فہرست ان روایات کی پیش کی جا سکتی ہے جنھیں ایک دو نہیں بلکہ جمہور ائمہ و محدثین نے صحیح قرار دیا ہے مگر بریلوی حکیم الامت ان روایات پر اصول حدیث کے ذریعے سے جرح کرتے ہیں۔

اسی طرح بریلویوں کے ''فاضل محدث'' عباس رضوی بریلوی نے لکھا: ''کسی کے ضعیف حدیث کو صحیح اور صحیح کو ضعیف حدیث کہہ دینے سے وہ ضعیف صحیح نہیں ہو جاتی''

(مناظرے ہی مناظرے ص ۲۹۲)

جب کسی کے ضعیف حدیث کو صحیح ثابت کہنے سے وہ ضعیف صحیح نہیں بن جاتی تو جس حدیث کی سرے سے سند ہی ثابت نہ ہو اسے ایسے حیلے بہانوں سے کیسے قبول کیا جا سکتا

ہے؟ چنانچہ بریلویوں کے یہی ''فاضل محدث'' عباس رضوی ایک روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''ہرگز صحیح سند کے ساتھ مروی نہیں ہے اگر ہے تو اس کی سند بیان کریں کیونکہ سند کے بغیر تو کوئی روایت قابل حجت نہیں ہوتی'' (مناظرے ہی مناظرے ص ۳۰۰)

غلام رسول سعیدی بریلوی نے بھی تسلیم کر رکھا ہے کہ ''اور جو روایت بلا سند مذکور ہو وہ حجت نہیں ہے۔'' (شرح صحیح مسلم ج ا ص ۵۱۱)

شاہ عبدالعزیز دہلوی کی ایک بات یاد رکھنے کے لائق قرار دیتے ہوئے اور بطور حجت پیش کرتے ہوئے احمد رضا خان بریلوی نے لکھا: ''اہلسنت کے ہاں حدیث وہی معتبر ہے جو محدثین کی کتب احادیث میں صحت کے ساتھ ثابت ہو، ان کے ہاں بے سند حدیث ایسے ہی ہے جیسے بے مہار اونٹ، جو کہ ہرگز قابل سماعت نہیں۔ (ت)'' (فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۵۸۵)

اوجھڑی حلال ہے

مشہور ثقہ تابعی امام محمد بن المنکدر رحمہ اللہ سے روایت ہے:

" دخلت علٰی فلانة ۔ بعض أزواج النبي ﷺ قد سماها و نسيت ۔ قالت: دخل عليّ رسول الله ﷺ و عندي بطن معلق فقال :

((لو طبخت لنا من هذا البطن كذا و كذا.)) قالت : فصنعناه فأكل و لم يتوضأ . " میں نبی ﷺ کی بیویوں میں سے فلانی کے پاس گیا۔ انھوں (محمد بن المنکدر) نے نام بیان کیا تھا، لیکن میں (عمارہ بن زاذان) بھول گیا۔ انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور میرے پاس اوجھڑی تھی جو لٹک رہی تھی۔ پھر آپ نے فرمایا: اگر تم اس اوجھڑی میں سے ہمارے لئے کچھ اس طرح اس طرح پکا دو۔ انھوں نے فرمایا: پھر میں نے ایسا ہی کیا (یعنی اوجھڑی پکالی) تو آپ نے (اسے) کھایا، اور (دوبارہ) وضو نہیں کیا۔ (شرح معانی الآثار ا/۱۰۳، وسندہ حسن، عمارہ بن زاذان حسن الحدیث ھا ھنا و وثقہ الجمہور، نخب الافکار للعینی ۲/ ۲۵۔۲۶، وقال: ''إسناده صحيح.'')

محمد زبیر صادق آبادی

آلِ دیوبند و آلِ بریلی نے بھی امام ابوحنیفہ کو چھوڑا ہے

اگر کوئی اہلِ حدیث کسی حدیث کی وجہ سے کوئی ایسا عمل کرے جو آلِ دیوبند کے نزدیک امام ابوحنیفہ کے قول و فعل کے خلاف ہو تو آل دیوبند اکثر یہ سوال کرتے ہیں کہ بتاؤ قرآن و حدیث کی سمجھ آپ کو زیادہ ہے یا امام ابوحنیفہ کو؟ یہ سوال ان کا اس لئے ہوتا ہے کہ اگر وہ اہلِ حدیث کہے: ''مجھے سمجھ زیادہ ہے'' تو اس کے خلاف یہ پروپیگنڈا شروع کیا جا سکے کہ اس نے امام ابوحنیفہ سے بھی بڑا امام ہونے کا دعویٰ کر دیا ہے اور اگر وہ اہلِ حدیث کہے: ''سمجھ تو امام ابوحنیفہ کو مجھ سے زیادہ تھی'' تو یہ شور مچانے کا موقع مل سکے کہ پھر تم نے امام ابوحنیفہ کی مخالفت کیوں شروع کر دی ہے؟ یہ سوال ہی چونکہ غلط ہے، اس لئے ہم ذیل میں آلِ دیوبند کے اصولوں کے عین مطابق (ان شاء اللہ) کچھ مثالیں بیان کریں گے، تاکہ یہ ثابت ہو جائے کہ آل دیوبند خود ہی اپنے اس سوال کے جواب سے عاجز ہیں اور دنیا میں بھی شرمندگی ان کا مقدر ہے۔

مجھ سے منڈی بہاؤ الدین کے ایک دیوبندی ''عالم'' محمد بلال نے یہ سوال کیا تو میں نے ایسی چند مثالیں بیان کیں جن میں آل دیوبند نے امام ابوحنیفہ کو چھوڑ دیا ہے تو وہ کوئی جواب نہ دے سکا اور ہکا بکا رہ گیا۔

۱) صحیح حدیث میں آیا ہے کہ نبی ﷺ دو سجدوں کے درمیان ((رَبِّ اغْفِرْ لِيْ)) دو دفعہ پڑھتے تھے۔ دیکھئے سنن ابی داود (ج ا ص ۱۳۴ ح ۸۷۴ باب مایقول الرجل فی رکوعہ وسجودہ)

اس کے خلاف حنفیہ کے نزدیک ظاہر روایت کی مشہور کتاب ''الجامع الصغیر'' میں امام ابوحنیفہ سے منقول ہے کہ ''و کذلك بین السجدتین یسکت''

اور اسی طرح دونوں سجدوں کے درمیان سکوت کرے (یعنی دعا نہیں پڑھے گا) (ص ۸۸)

اس قول کے بارے میں عبدالحئ لکھنوی (حنفی) نے ''النافع الکبیر'' میں لکھا ہے:

"هذا مخالف لما جاء في الأخبار الصحاح من زيادة الأدعية في القومة و بين السجدتين " یہ قول ان صحیح احادیث کے مخالف ہے جن میں قومہ اور دوسجدوں کے درمیان دعائیں پڑھنے کا ثبوت ہے۔(ایضاً)

آلِ دیوبند کے "مفسرِ قرآن" صوفی عبدالحمید سواتی نے بھی امام ابوحنیفہ کی مخالفت کرتے ہوئے، دوسجدوں کے درمیان دعا پڑھنے کو بہتر قرار دیا ہے اور دوطرح کی دعائیں بھی نقل کی ہیں۔(دیکھئے نماز مسنون ص ۳۶۹۔۳۷۰)

آلِ دیوبند کے "مفتی" محمد ابراہیم نے بھی دوسجدوں کے درمیان پڑھنے کے لئے ایک دعا نقل کی ہے۔(دیکھئے چارسواہم مسائل ص ۷۲)

آلِ دیوبند کے "شیخ" محمد الیاس فیصل دیوبندی نے بھی دوسجدوں کے درمیان پڑھنے کے لئے ایک دعا نقل کی ہے۔(دیکھئے نماز پیغمبر ﷺ ص ۱۹۱)

یہ سب (عبدالحئ لکھنوی، عبدالحمید سواتی، محمد ابراہیم صادق آبادی اور محمد الیاس فیصل) اس مسئلے میں اپنے مزعوم امام ابوحنیفہ کے سراسر خلاف ہیں۔

۲) عبدالشکور لکھنوی دیوبندی نے لکھا ہے: "نبی ﷺ نے ایک مرتبہ پیاس یا گرمی کی شدت سے صوم (روزے) کی حالت میں اپنے سر پر پانی ڈالا تھا۔(ابوداود)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کپڑے کو تر فرما کر اپنے بدن پر لپیٹ لیتے تھے امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ افعال مکروہ ہیں مگر فتوی ان کے قول پر نہیں ۱۲ (ردالمحتار"

(علم الفقہ ص ۴۳۶، دوسرا نسخہ ص ۴۶۸، وہ صورتیں جن میں روزہ فاسد نہیں ہوتا)

۳) امین اوکاڑوی دیوبندی نے لکھا ہے: "امام صاحب رحمہ اللہ کا صریح قول تو وہ ہے کہ تعلیم قرآن پر تنخواہ لینا جائز نہیں۔" (تجلیات صفدر ج ۵ ص ۲۱۵، غیر مقلدین کے اعتراضات کے جوابات)

آلِ دیوبند کے "مفتی" تقی عثمانی نے لکھا: "چنانچہ علمائے احناف نے انہی وجوہ سے بہت سے مسائل میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول چھوڑ دیا ہے، مثلاً استیجار علی تعلیم القرآن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ناجائز تھا، لیکن زمانے کے تغیر کی وجہ سے بعد کے فقہاء حنفیہ نے اسے

جائز قرار دیا'' (تقلید کی شرعی حیثیت ص ۱۴۱)

نیز بذل المجھود فی حل ابی داود (جلد ۶ ص ۱۱) میں بھی اس بات کی صراحت ہے کہ متاخرین حنفیہ نے ضرورت کی وجہ سے امام ابوحنیفہ کا یہ قول ترک کر دیا ہے۔

۴) امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایسی عورت جس کا شوہر گم ہو جائے تو وہ اتنی مدت تک انتظار کرے یہاں تک کہ اس کے شوہر کی عمر ایک سو بیس (۱۲۰) سال ہو جائے تو وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح کر سکے گی۔ (دیکھئے الہدایہ ۱/۶۲۳۔ دوسرا نسخہ ۱/۶۰۴، کتاب المفقود، قدوری ص ۱۵۵)

امام ابوحنیفہ کے اس قول کے خلاف اشرف علی تھانوی دیوبندی نے لکھا ہے:

''جس کا شوہر بالکل لاپتہ ہو گیا معلوم نہیں مر گیا یا زندہ ہے تو وہ عورت اپنا دوسرا نکاح نہیں کر سکتی بلکہ انتظار کرتی رہے کہ شاید آ جاوے۔ جب انتظار کرتے کرتے اتنی مدت گزر جائے کہ شوہر کی عمر نوے برس کی ہو جاوے تو اب حکم لگا دینگے کہ وہ مر گیا ہو گا۔ سو اگر وہ عورت ابھی بھی جوان ہو اور نکاح کرنا چاہے تو شوہر کی عمر نوے برس کی ہونے کے بعد عدت پوری کر کے نکاح کر سکتی ہے مگر شرط یہ ہے کہ اس لاپتہ مرد کے مرنے کا حکم کسی شرعی حاکم نے لگایا ہو۔'' (بہشتی زیور حصہ چہارم ص ۳۴ میاں کے لاپتہ ہو جانے کا بیان)

لیکن پھر آل دیوبند نے تھانوی کے مذکورہ فتوے کو بھی چھوڑ دیا اور بہشتی زیور کے اس صفحہ کے حاشیہ پر لکھا ہوا ہے: ''لیکن آجکل شدت ضرورت کیوجہ سے علماء نے امام مالکؒ صاحبؒ کے مذہب پر فتویٰ دیدیا ہے۔'' (نیز دیکھئے تقلید کی شرعی حیثیت ص ۱۴۱، از تقی عثمانی)

قارئین کرام! آپ اس بات پر بھی غور کریں کہ یہ کیسا دین ہے جو آہستہ آہستہ بدل رہا ہے حالانکہ وحی کا سلسلہ بہت پہلے بند ہو چکا۔ مزید تفصیل اگلی مثال میں بھی ملاحظہ کریں:

۵) صحیح بخاری کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز فجر کی جماعت کے وقت سنت پڑھنا جائز نہیں۔ اس حدیث پر حاشیہ لکھتے ہوئے ظہور الباری اعظمی دیوبندی نے لکھا ہے:

''اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرض نماز کی اقامت کے بعد سنت جائز ہی نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ بعض ظواہر نے اسی حدیث کی بناء پر یہ کہا ہے کہ اگر کوئی شخص سنتیں پڑھ رہا تھا

کہ اتنے میں فرض کی اقامت ہوگئی تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ لیکن آئمہ اربعہ میں کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔ جمہور کا مسلک یہ ہے کہ اقامت فرض کے بعد سنت نہ شروع کرنی چاہیے۔ البتہ فجر کی سنتوں کے سلسلے میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر نماز شروع ہو چکی ہے اور کم از کم ایک رکعت ملنے کی توقع ہے تو مسجد سے باہر فجر کی دو سنت رکعتوں کو پڑھ لینا چاہئے۔ اصل بات یہ ہے کہ اس حدیث کے ظاہری مفہوم کے مطابق ائمہ اربعہ میں کسی کا بھی مسلک نہیں۔ اس لئے یہ ایک اجتہادی مسئلہ بن گیا۔ چونکہ احادیث میں ہے کہ جس نے ایک رکعت جماعت پالی اسے جماعت کا ثواب ملے گا۔ غالبًا اسی حدیث کے پیشِ نظر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رکعت پالینے کی قید لگائی۔ پھر بعد میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں بھی توسیع کر دی اور فرمایا کہ اگر قعدہ اخیرہ میں امام کو پانے کی امید ہو پھر بھی فجر کی سنت پڑھنی چاہئے۔ اب تک یہ صورت تھی کہ فجر کی یہ سنت مسجد سے باہر پڑھی جائے لیکن بعد میں مشائخ حنفیہ نے اس میں بھی توسع سے کام لیا اور کہا کہ مسجد کے اندر کسی ایک طرف جماعت سے دور کھڑے ہو کر بھی یہ رکعتیں پڑھی جا سکتی ہیں۔" (تفہیم البخاری علیٰ صحیح البخاری پارہ ۳ جلد اول ص ۳۴۲)

مذکورہ عبارت کے مطابق آلِ دیوبند دو طرح سے امام ابوحنیفہ کی مخالفت کرتے ہیں:

۱: امام ابوحنیفہ کا قول ہے کہ اقامت کے بعد فجر کی سنتیں مسجد سے باہر پڑھی جائیں، لیکن آلِ دیوبند مسجد کے اندر ہی پڑھتے ہیں۔

۲: امام ابوحنیفہ کا قول ہے کہ اگر کم از کم جماعت کے ساتھ ایک رکعت ملنے کی امید ہو تو فجر کی سنتیں شروع کی جائیں، لیکن آلِ دیوبند قعدہ اخیرہ ملنے کی امید پر بھی یہ رکعتیں پڑھتے ہیں۔

تنبیہ: بعض آلِ دیوبند نے "مشائخ حنفیہ" کے قول میں بھی توسیع کر رکھی ہے، وہ یہ سنتیں بالکل جماعت کی صف کے پیچھے بھی پڑھ لیتے ہیں۔

۶) آلِ دیوبند کے "شیخ الاسلام" محمد تقی عثمانی نے لکھا ہے:

"مزارعت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ناجائز ہے، لیکن فقہا حنفیہؒ نے امام صاحبؒ کے مسلک

کو چھوڑ کر متناسب حصہ پیداوار کی مزارعت کو جائز قرار دیا ہے، اور یہ مثالیں تو ان مسائل کی ہیں جن میں تمام متاخرین فقہا حنفیہ امام صاحبؒ کے قول کو ترک کرنے پر متفق ہو گئے، اور ایسی مثالیں تو بہت سی ہیں جن میں بعض فقہا نے انفرادی طور پر کسی حدیث کی وجہ سے امام ابو حنیفہؒ کے قول کی مخالفت کی ہے۔'' (تقلید کی شرعی حیثیت ص ۱۰۸)

۷) تقی عثمانی نے لکھا ہے: ''انگور کی شراب کے علاوہ دوسری نشہ آور اشیاء کو اتنا کم پینا جس سے نشہ نہ ہو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک قوت حاصل کرنے کے لئے جائز ہے، لیکن فقہا حنفیہؒ نے اس مسئلے میں امام ابو حنیفہؒ کے قول کو چھوڑ کر جمہور کا قول اختیار کیا ہے... اور مثالیں ان مسائل کی ہیں جن میں تمام متاخرین فقہا حنفیہ امام صاحبؒ کے قول کو ترک کرنے پر متفق ہو گئے'' (تقلید کی شرعی حیثیت ص ۱۰۷ تا ۱۰۸)

۸) مکہ مکرمہ کے مستقل قیام کے متعلق آلِ دیوبند کے ''شیخ الحدیث'' محمد زکریا دیوبندی نے ملا علی قاری حنفی کے حوالے سے لکھا ہے: ''امام اعظم ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ وہاں کے مستقل قیام کو مکروہ فرماتے تھے۔'' (فضائل حج ص ۱۱۰ چھٹی فصل مکہ مکرمہ اور کعبہ شریف کے فضائل میں)

زکریا دیوبندی نے مزید لکھا ہے: ''مُلّا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت امام اعظم نے اپنے زمانہ کے لوگوں کے حالات کے لحاظ سے کراہت اور ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اگر وہ ان حالات کو دیکھتے جن کو ہم اپنے زمانہ میں دیکھ رہے ہیں تو وہ وہاں کے قیام کے حرام ہونے کا فتویٰ دیتے۔ یہ مُلّا علی قاریؒ مشاہیر علماء میں ہیں 1104ھ میں وفات پائی ہے۔ جب یہ اپنے زمانہ کا یہ حال فرما رہے ہیں تو آج چودھویں صدی کے آخر کا جو حال ہوگا وہ اظہر مِنَ الشّمس ہے۔'' (فضائل حج ص ۱۱۱)

لیکن اس کے باوجود حنفیہ کا فتویٰ امام ابو حنیفہ کے خلاف ہے، چنانچہ زکریا دیوبندی نے لکھا ہے: ''مُلّا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ مکہ مکرمہ کا قیام صاحبَین کے نزدیک مستحب ہے اور اسی پر فتویٰ ہے'' (فضائل حج ص ۱۱۰ چھٹی فصل)

۹) نفلی اعتکاف کے مسئلہ میں بھی آلِ دیوبند نے امام ابو حنیفہ کے مسلک کو چھوڑ دیا ہے۔

چنانچہ تبلیغی جماعت والے محمد زکریا دیوبندی نے لکھا ہے: ''تیسرا اعتکاف نفل ہے جس کے لئے نہ کوئی وقت، نہ ایّام کی مقدار، جتنے دن کا جی چاہے کرلے حتّٰی کہ اگر کوئی شخص تمام عمر کے اعتکاف کی نیت کرلے تب بھی جائز ہے البتہ کمی میں اختلاف ہے کہ امام صاحبؒ کے نزدیک ایک دن سے کم کا جائز نہیں لیکن امام محمدؒ کے نزدیک تھوڑی دیر کا بھی جائز اور اسی پر فتویٰ ہے اسلیئے ہر شخص کے لئے مناسب ہے کہ جب مسجد میں داخل ہو اعتکاف کی نیّت کر لیا کرے'' (فضائل اعمال ص ۶۸۵ مکتبہ فیضی لاہور)

۱۰) فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں لکھا ہے: ''سوال (982) ایک دس سالہ لڑکی کا نکاح لڑکی کے ولی نے ایک سولہ سترہ سال کے نوجوان سے کر دیا تھا۔ نکاح کے دو سال بعد نوجوان مذکور بیمار ہو کر پاگل ہو گیا نوجوان کے وارثوں نے کامل چار سال تک یونانی اور ڈاکٹری، معالجہ اپنی حسب حیثیت کیا۔ لیکن نوجوان کو کچھ آرام نہیں ہوا مجنون کو مجبور ہو کر اس کو پاگلخانہ بھیجدیا۔ دو ڈھائی سال ہوئے پاگلخانہ میں بھیجدیا۔ اب تک حالت بدستور ہے۔ اب لڑکی کا کوئی وارث اور خبر گیراں نہیں ہے۔ اب لڑکی اپنا نکاح خود کسی سے کر سکتی ہے یا نہ؟

الجواب: حنفیہ کے مذہب کے موافق اس لڑکی کے نکاح ثانی کے جواز کی کوئی صورت نہیں ہے کیونکہ دیوانہ کی زوجہ کو اس کے نکاح سے نہ حاکم علیحدہ کر سکتا ہے اور نہ خود دیوانہ کی طلاق معتبر ہو سکتی ہے۔ البتہ موت دیوانہ کی عدت وفات پوری کر کے اس کی زوجہ نکاح ثانی کر سکتی ہے۔'' (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جلد ا ص ۵۳۲ دارالاشاعت کراچی)

لیکن بعد میں آلِ دیوبند نے اپنے مزعوم ''مذہب حنفی'' کو ترک کر دیا۔

تفصیل کے لئے دیکھئے فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کے اسی صفحے کا حاشیہ۔

۱۱) نماز فجر کی سنتیں اگر کسی وجہ سے رہ جائیں تو امام ابو حنیفہ کا قول یہ ہے کہ نہ تو یہ سنتیں سورج کے طلوع ہونے سے پہلے پڑھی جائیں اور نہ سورج طلوع ہونے کی بعد پڑھی جائیں۔ (دیکھئے الھدایہ ج ا ص ۱۵۲، اشرف الھدایہ ۲/ ۲۴۹، باب ادراک الفریضۃ، خزائن السنن ۲/ ۱۵۰)

لیکن انوار خورشید دیوبندی نے ایک ضعیف حدیث کو اپنی دلیل بنا کر اس کا ضعف

بتائے بغیر لکھا ہے: ''اگر یہ سنتیں فجر کے فرضوں سے پہلے پڑھنے سے رہ جائیں تو پھر سورج طلوع ہونے کے بعد پڑھی جائیں'' (حدیث اور اہل حدیث ص ۶۲۲)

۱۲) آل دیوبند کے مفتی محمد زرولی خان نے لکھا ہے: ''حضرت امام ابوحنیفہؒ سے کتب فقہ۔اور فتاویٰ معتبرہ میں ستہ شوال کی کراہت منقول ہے''

(احسن المقال فی کراہیۃ ستہ شوال یعنی شوال کے چھ روزوں کے مکروہ ہونے کی تحقیق ص ۳۴)

اس کے بعد زرولی نے کئی کتبِ فقہ کے حوالے دیئے ہیں اور اختصار کے پیش نظر میں یہاں صرف ایک حوالہ نقل کیے دیتا ہوں: ''ھندیہ میں ہے و یکرہ صوم ستة من شوال عند ابی حنیفهؒ متفرقا کان او متتابعا۔ (عالمگیری ج ۱ ص ۲۰۱)'' (احسن المقال ص ۳۴)

عبارت مذکورہ کا ترجمہ درج ذیل ہے:

''ابوحنیفہ کے نزدیک شوال کے چھ روزے رکھنا مکروہ ہے، چاہے علیحدہ رکھے جائیں یا اکٹھے رکھے جائیں۔'' لیکن اس کے باوجود بے شمار آل دیوبند نے امام ابوحنیفہ کے اس قول کو چھوڑ دیا ہے۔اس کے لئے آپ درج ذیل کتابیں دیکھ سکتے ہیں:

بہشتی زیور حصہ سوم (ص ۹ مسئلہ نمبر ۱۳ ص ۲۵۱) آلِ دیوبند کے ''مفتی'' محمد ابراہیم صادق آبادی کی کتاب چارسو اہم مسائل (ص ۱۹۲) اور انوارات صفدر (۱/ ۱۸۶)

۱۳) بریلویوں نے بھی امام ابوحنیفہ کے قول کو چھوڑ دیا ہے۔

غلام رسول سعیدی بریلوی نے لکھا ہے: ''احادیث صحیحہ میں عقیقہ کی فضیلت اور استحباب کو بیان کیا گیا ہے لیکن غالباً یہ احادیث امام ابوحنیفہ اور صاحبین کو نہیں پہنچیں، کیونکہ انہوں نے عقیقہ کرنے سے منع کیا ہے۔'' (شرح صحیح مسلم ۱/ ۴۳)

۱۴) نمازِ جمعہ کی شرائط کے مسئلے میں آلِ دیوبند نے امام ابوحنیفہ کے قول کو چھوڑ دیا ہے۔

چنانچہ آلِ دیوبند کے مفتی اعظم ہند کفایت اللہ دیوبندی نے لکھا ہے: ''امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول اور ان سے جو تعریف مصر مروی ہے اس کے موافق تو دہلی اور لاہور میں بھی (جمعہ) جائز نہیں'' (کفایت المفتی ج ۳ ص ۲۰۶ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ ملتان)

۱۵) آلِ دیوبند کے مفسرِ قرآن شبیر احمد عثمانی نے سورۂ لقمان کی آیت نمبر ۱۴ کی تفسیر میں لکھا ہے: ''تنبیہ: دودھ چھڑانے کی مدّت جو یہاں دو سال بیان ہوئی ہے باعتبار غالب اور اکثری عادت کے ہے۔ امام ابوحنیفہؒ جو اکثر مدت ڈھائی سال بتاتے ہیں اُن کے پاس کوئی اور دلیل ہوگی۔ جمہور کے نزدیک دو سال ہی ہے۔ واللہ اعلم۔''

(تفسیر عثمانی ص ۵۴۷ حاشیہ نمبر ۱۵)

عثمانی صاحب کے اس حسن ظن کہ امام ابوحنیفہ کے ''پاس کوئی اور دلیل ہوگی'' کے برعکس آلِ دیوبند کے ''حکیم الامت'' اشرف علی تھانوی نے امام ابوحنیفہ کے مذکورہ قول کی ذرا بھی پروانہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''دو برس کے بعد دودھ پینا بالکل حرام ہے۔'' (بہشتی زیور چوتھا حصہ ص ۱۸ مسئلہ نمبر ۱۳)

۱۶) سرفراز خان صفدر دیوبندی نے لکھا ہے: ''(علامہ شامی فرماتے ہیں کہ احناف نے سترہ مقامات میں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کے اقوال چھوڑ کر امام زفرؒ کے اقوال لیے ہیں ج ا ص ۶۶)'' (الکلام المفید ص ۳۳۶)

تقی عثمانی دیوبندی نے لکھا ہے: ''بہت سے مسائل میں مشائخ حنفیہ نے امام ابوحنیفہؒ کے قول کے خلاف فتویٰ دیا ہے'' (تقلید کی شرعی حیثیت ص ۵۸)

تقی عثمانی دیوبندی نے دوسری جگہ لکھا ہے: ''چنانچہ علمائے احناف نے انہی وجوہ سے بہت سے مسائل میں امام ابوحنیفہؒ کا قول چھوڑ دیا ہے'' (تقلید کی شرعی حیثیت ص ۱۴۱)

یہاں تک تو بات امام ابوحنیفہ کی تھی، لیکن آل دیوبند کے ''امام'' سرفراز خان صفدر نے امام ابوحنیفہ کے استاد حماد بن ابی سلیمان کے بارے میں لکھا ہے:

''امام بخاریؒ نے حمادؒ کے قول کی سند بیان نہیں کی تو ایسی بے سند بات کا کیا اعتبار ہے؟ علاوہ ازیں اگر حمادؒ کے قول کی سند بھی مل جائے، تب بھی قرآن کریم صحیح احادیث اور آثار صحابہؓ کے مقابلے میں حمادؒ کے قول کی کیا وقعت ہے؟'' (احسن الکلام ج ا ص ۳۹۳)

امین اوکاڑوی نے لکھا ہے: ''ایک تابعی کا عمل اگر چہ اصول کے مخالف نہ بھی ہو تب

بھی اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔'' (تجلیات صفدر ۵/۱۱۳)

''مفتی'' جمیل احمد نذیری دیوبندی نے لکھا ہے: ''ہاں بعض صحابہ کرامؓ سے ایک رکعت پڑھنے کی روایتیں ملتی ہیں مگر یہ ان کا اپنا اجتہاد تھا۔ جو احادیث مرفوعہ کثیرہ کے مقابلے میں حجت نہیں۔'' (رسول اکرم ﷺ کا طریقہ نماز ص ۲۵۹)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے میرا مضمون ''آل دیوبند اور موقوفات صحابہ رضی اللہ عنہم''

(الحدیث نمبر ۶۱ ص ۲۷۔۴۰)

یعنی آلِ دیوبند کے نزدیک امام ابوحنیفہ کے استاد (جیسا کہ مشہور ہے) حماد بن ابی سلیمان کے قول کی بھی کوئی وقعت نہیں۔

۱۷) امام ابوحنیفہ کا مشہور مسئلہ ہے کہ عربی کے علاوہ دوسری زبانوں مثلاً فارسی میں تکبیرِ تحریمہ اور دیگر تکبیرات کہنا جائز ہے، جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں لکھا ہوا ہے لیکن اس کے برعکس آلِ دیوبند کے ''امام'' عبدالشکور فاروقی لکھنوی نے لکھا ہے:

''چوتھا مسئلہ:۔ تکبیر تحریمہ اور اسی طرح باقی تکبیرات کا غیر عربی میں کہنا جائز ہے یا نہیں۔؟ جواب:۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے اس لئے کہ اللہ پاک نے فرمایا ہے ذَکَرَ اسمَ ربّہٖ فَصَلّٰے اس میں کسی زبان کی تخصیص نہیں کی، ہاں اس میں شک نہیں کہ مخالف سنت کے سبب سے بدعت اور مکروہ ضرور ہوگا بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ امام صاحب نے اس مسئلہ سے بھی رجوع کیا، مگر یہ صحیح نہیں۔'' (علم الفقہ حصہ دوم ص ۳۷۷، طبع اپریل ۲۰۰۳ء)

دیوبندی عالم عبدالشکور لکھنوی نے امام ابوحنیفہ کے جائز قرار دیئے ہوئے فعل کو بدعت اور مکروہ قرار دیا ہے اور اس مسئلے میں امام ابوحنیفہ کے رجوع سے بھی انکار کیا ہے۔

اعلان

اگلے مہینے کا شمارہ (الحدیث حضرو: ۹۴) مارچ میں شائع نہیں ہوگا، بلکہ اپریل (۲۰۱۲ء) میں دو مہینوں کا اکٹھا شمارہ شائع ہوگا۔ ان شاء اللہ

[ادارہ مکتبۃ الحدیث حضرو۔ ضلع اٹک]

حافظ زبیر علی زئی

محمود بن اسحاق البخاری الخزاعی القواس رحمہ اللہ

امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ کی دو مشہور کتابوں (جزء رفع الیدین اور جزء القراءۃ) کے راوی ابو اسحاق محمود بن اسحاق الخزاعی البخاری القواس رحمہ اللہ کا جامع و مفید تذکرہ درج ذیل ہے:

نام ونسب: ابو اسحاق محمود بن اسحاق بن محمود القواس البخاری الخزاعی رحمہ اللہ

اساتذہ: آپ کے اساتذہ میں سے بعض کے نام درج ذیل ہیں:

۱: امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ

۲: محمد بن الحسن بن جعفر البخاری (الارشاد للخلیلی ۳/ ۹۶۷۔۹۶۸ رقم ۸۹۵)

۳: ابو عصمہ سہل بن المتوکل بن حجر البخاری/ ثقہ (الارشاد ۳/ ۹۶۹ رقم ۸۹۷)

سہل بن المتوکل کو حافظ ابن حبان نے کتاب الثقات (۸/ ۲۹۴) میں ذکر کیا ہے اور حافظ خلیلی نے ثقہ کہا ہے۔

۴: ابو عمرو حریث بن عبدالرحمٰن البخاری (الارشاد ۳/ ۹۷۰۔۹۷۱ ت ۸۹۸)

۵: ابو عبداللہ محمد بن عبدک البخاری الجدیدی (الانساب للسمعانی ۲/ ۳۱۔۳۲)

۶: خلف بن الولید، ابو صالح البخاری (المتفق والمفترق للخطیب ۱/ ۳۲ شاملہ)

۷: احمد بن حاتم بن داود المکی، ابو جعفر السلمی (بحر الفوائد: ۱۹۱) وغیرہم رحمہم اللہ

تلامذہ: ہمارے علم کے مطابق آپ کے تلامذہ (شاگردوں) کے نام درج ذیل ہیں:

۱: ابو نصر محمد بن احمد بن موسیٰ بن جعفر الملاحمی البخاری (تاریخ بغداد ۶/ ۸۳، مشیخۃ الابنوسی: ۱۶۵، ۱۶۹، التحقیق لابن الجوزی ۱/ ۴/ ۲۷۷ ح ۴۶۳ وسندہ صحیح، السنن الکبریٰ للبیہقی ۲/ ۷۴ وسندہ صحیح)

۲: ابو العباس احمد بن محمد بن الحسین بن اسحاق الرازی الضریر (تاریخ بغداد ۱۳/ ۴۳۸ ت ۷۲۹۷ وسندہ صحیح)

ابوالعباس الرازی الصغیر کے بارے میں خطیب بغدادی نے فرمایا: "و كان ثقة حافظًا"
(تاریخ بغداد ۴/ ۴۳۵)

۳: ابوبکر محمد بن ابی اسحاق ابراہیم بن یعقوب الکلاباذی البخاری (بحر الفوائد ح ۶۴، ۱۹۱، ۱۹۲)
یہ صاحبِ کتاب ہیں اور ان کا ذکر تاج التراجم (ص ۳۳۳ ت ۳۳۵) وغیرہ میں موجود ہے۔

۴: امام ابوالفضل احمد بن علی بن عمرو بن حمد السلیمانی البیکندی البخاری رحمہ اللہ
(تاریخ دمشق لابن عساکر ج ۶ ۲ ص ۱۶۶۔ ۱۶۷، تذکرۃ الحفاظ ۳/ ۳۶ ت ۹۶۰)
ان کے حالات کے لئے دیکھئے سیر اعلام النبلاء (۱۷/ ۲۰۰۔ ۲۰۱) وغیرہ۔

۵: ابوالحسین محمد بن عمران بن موسیٰ الجرجانی (المتفق والمفترق للخطیب ۱/ ۳۳۳ ح ۵۰۸)
ان کا ذکر تاریخ جرجان للسہمی (ص ۴۲۳۔ ۴۲۴ ت ۷۴۶) میں ہے۔

۶: ابوالحسین احمد بن محمد بن یوسف الازدی البخاری (تاریخ بغداد ۱۰/ ۲۸ ت ۵۱۴۷)

۷: ابونصر احمد بن محمد بن الحسن بن حامد بن ھارون بن المنذر بن عبدالجبار النیازکی الکرمینی۔

سمرقند و بخارا کی کوئی محدثانہ مکمل تاریخ میرے پاس موجود نہیں اور "القند فی ذکر علماء سمرقند" للنسفی موجود ہے، لیکن شروع اور آخر سے ناقص چھپی ہے، محمود نام کے راویوں والا حصہ شائع ہی نہیں ہوا۔ واللہ اعلم

علمی کارنامہ: آپ امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ کی دو مشہور کتابوں: جزء رفع الیدین اور جزء القراءۃ کے بنیادی راوی ہیں۔ (نیز دیکھئے ہدی الساری مقدمہ فتح الباری ص ۴۹۲)

علمی مقام: یمن کے مشہور عالم مولانا شیخ عبدالرحمٰن بن یحییٰ المعلمی رحمہ اللہ نے زاہد بن حسن کوثری (جہمی) کو مخاطب کر کے لکھا ہے: "إذا كان أهل العلم قد وثقوهما و ثبتوهما ولم يتكلم أحد منهم فيهما فما ذا ينفعك أن تقول: لا نثق بهما ؟"
جب اہلِ علم (محدثین و علماء) نے ان دونوں (محمود بن اسحاق الخزاعی اور احمد بن محمد بن

الحسین الرازی) کو ثقہ اور ثبت قرار دیا ہے، کسی ایک نے بھی ان دونوں پر کوئی (جرح والا) کلام نہیں کیا تو تمھارا یہ کہنا: ہم ان پر اعتماد نہیں کرتے، کیا فائدہ دے گا؟

(التنکیل بمافی تانیب الکوثری من الاباطیل ۱/۴۷۵ ت ۲۴۲)

اب محمود بن اسحاق رحمہ اللہ کی صریح اور غیر صریح توثیق کے دس سے زیادہ حوالے پیشِ خدمت ہیں:

۱: حافظ ابن حجر العسقلانی نے محمود بن اسحاق کی بیان کردہ ایک روایت کو "حسن" قرار دیا ہے۔ (دیکھئے موافقۃ الخبر الخبر فی تخریج احادیث المختصر ا/ ۴۱۷)

تنبیہ: راوی کی منفرد روایت کو حسن یا صحیح کہنا، اُس راوی کی توثیق ہوتی ہے۔

(دیکھئے نصب الرایہ ا/ ۱۴۹، ۳/ ۲۶۴)

۲: علامہ نووی نے جزء رفع الیدین سے ایک روایت بطورِ جزم نقل کی اور فرمایا:

"بإسناده الصحيح عن نافع" (المجموع شرح المہذب ۳/ ۴۰۵)

معلوم ہوا کہ نووی جزء رفع الیدین کو امام بخاری کی صحیح وثابت کتاب سمجھتے تھے۔

۳: ابن الملقن (صوفی) نے جزء رفع الیدین سے ایک روایت بطورِ جزم نقل کی اور فرمایا: "بإسناد صحيح عن نافع عن ابن عمر" (البدر المنیر ۳/ ۴۷۸)

۴: زیلعی حنفی نے جزء رفع الیدین سے روایات بطورِ جزم نقل کیں۔

(دیکھئے نصب الرایہ ا/ ۳۹۰، ۳۹۳، ۳۹۵)

۵: مشہور محدث ابو بکر البیہقی رحمہ اللہ نے محمود بن اسحاق کی روایت کردہ کتاب: جزء القراءۃ للبخاری کو بطورِ جزم امام بخاری سے نقل کیا ہے۔

(مثلاً دیکھئے کتاب القراءۃ خلف الامام للبیہقی ص ۲۳ ح ۲۸)

۶: علامہ ابو الحجاج المزی رحمہ اللہ نے جزء القراءۃ کو بطورِ جزم امام بخاری سے نقل کیا ہے۔ (مثلاً دیکھئے تہذیب الکمال ج ۳ ص ۱۷۲، سعید بن سنان البرجمی)

۷: عینی حنفی نے جزء رفع الیدین کو امام بخاری سے بطورِ جزم نقل کیا ہے۔

(دیکھئے عمدۃ القاری ۵/۲۷۲ تحت ح ۷۳۵)

نیز دیکھئے شرح سنن ابی داود للعینی (۳/۲۵۰ ح ۷۳۲) اور معانی الاخبار (۳/۴۷۶)

۸: بدرالدین محمد بن بہادر بن عبداللہ الزرکشی نے جزء مذکور کو بطورِ جزم نقل کیا۔

(دیکھئے البحر المحیط فی اصول الفقہ ۴/۴۴۹ مکتبہ شاملہ)

۹: محمد الزرقانی نے جزء رفع الیدین کو امام بخاری سے بطورِ جزم نقل کیا ہے۔

(دیکھئے شرح الزرقانی علی الموطأ ۱/۱۵۸ تحت ح ۲۰۴ باب ماجاء فی افتتاح الصلاۃ)

۱۰: سیوطی نے فض الوعاء میں جزء رفع الیدین کو بطورِ جزم امام بخاری سے نقل کیا۔

(دیکھئے فض الوعاء فی احادیث رفع الیدین بالدعاء ۱/۵۹ قبل ح ۱۸)

۱۱: ذہبی (التنقیح لکتاب التحقیق لأحادیث التعلیق ۱/۲۴۹ ط مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز/مکہ)

۱۲: مغلطائی حنفی (دیکھئے شرح سنن ابن ماجہ لمغلطائی ۱/۱۴۱۴، ۱۴۶۶، ۲/۸ شاملہ)

وغیر ذلک. مثلاً دیکھئے تنقیح التحقیق (۲/۲۱۸ ح ۷۵۸، ۱/۳۷۸ شاملہ)

آلِ دیوبند و آلِ بریلی اور آلِ تقلید کے کئی علماء نے جزء رفع الیدین اور جزء القراءۃ (کلاہما للبخاری/ دونوں یا کسی ایک) کو بالجزم امام بخاری سے نقل کر رکھا ہے، جن میں سے بعض حوالے درج ذیل ہیں:

۱: نیموی (آثار السنن: ۶۳۵ وقال: ''رواہ البخاری فی جزء رفع الیدین واسنادہ صحیح'')

۲: سرفراز خان صفدر کڑمنگی گکھڑوی دیوبندی (خزائن السنن ص ۴۱۶ حصہ دوم ص ۱۶۶)

۳: صوفی عبدالحمید سواتی دیوبندی (نماز مسنون کلاں ص ۶۴۶)

۴: فیض احمد ملتانی دیوبندی (نماز مدلل ص ۱۱۸، حوالہ نمبر ۲۷۶)

۵: جمیل احمد نذیری دیوبندی (رسولِ اکرم ﷺ کا طریقۂ نماز ص ۲۶۲)

۶: علی محمد حقانی دیوبندی (نبوی نماز/ سندھی ص ۲۹۲ حصہ اول)

۷: غلام مصطفیٰ نوری بریلوی (نمازِ نبوی ﷺ ص ۱۶۲)

۸: غلام مرتضیٰ ساقی بریلوی (مسئلہ رفع یدین پر.. کا تعاقب ص ۲۶)

۹: ابو یوسف محمد ولی درویش دیوبندی (دپیغمبر خدا ﷺ مونځ / پشتو ص ۴۱۴)

۱۰: عبدالشکور قاسمی دیوبندی وغیرہ (کتاب الصلاۃ ص ۱۱۳، طبع ندوۃ العلم کراچی) وغیرہم

ان سب نے جزء القراءۃ یا جزء رفع الیدین کے حوالے بطورِ جزم وبطورِ حجت نقل کئے ہیں اور بعض نے تو رفع الیدین سے مذکور ایک روایت کو صحیح سند قرار دیا ہے۔

ہمارے علم کے مطابق محمود بن اسحاق پر کسی محدث یا مستند عالم نے کوئی جرح نہیں کی اور ان کی بیان کردہ کتابوں اور روایتوں کو صحیح قرار دینا یا بالجزم ذکر کرنا (ان پر جرح نہ ہونے کی حالت میں) اس بات کی دلیل ہے کہ وہ مذکورہ تمام علماء وغیر علماء کے نزدیک ثقہ و صدوق تھے، لہٰذا جزء القراءۃ اور جزء رفع الیدین دونوں کتابیں امام بخاری سے ثابت ہیں اور چودھویں پندرھویں صدی کے بعض الناس کا ان کتابوں پر طعن واعتراض مردود ہے۔

بعض الناس کی جہالت یا تجاہل کا رد: چودھویں پندرھویں صدی میں بعض الناس (مثلاً امین اوکاڑوی دیوبندی) نے محمود بن اسحاق البخاری کو مجہول کہہ دیا ہے، حالانکہ سات راویوں کی روایت، حافظ ابن حجر اور دیگر علماء وغیر علماء کی توثیق کے بعد مجہول کہنا یہاں باطل ومردود ہے۔ ہمارے علم کے مطابق ۳۳۲ھ میں وفات پانے والے محمود بن اسحاق کو کسی محدث یا مستند عالم نے مجہول العین یا مجہول الحال (مستور) نہیں کہا۔

حافظ ذہبی نے لکھا ہے: ''**محمود بن إسحاق البخاري القواس: سمع من محمد ابن إسماعيل البخاري و محمد بن الحسن بن جعفر صاحب يزيد بن هارون و حدّث و عمرّ دهرًا. أرّخه الخليلي و قال: ثنا عنه محمد بن أحمد الملاحمي.**'' محمود بن اسحاق البخاری القواس: انھوں نے محمد بن اسماعیل البخاری اور یزید بن ہارون کے شاگرد محمد بن الحسن بن جعفر سے سنا، حدیثیں بیان کیں اور ایک (طویل) زمانہ زندہ رہے۔ خلیلی نے ان کی تاریخ وفات بیان کی اور فرمایا: ہمیں محمد بن احمد الملاحمی نے ان سے حدیث بیان کی ہے۔ (تاریخ الاسلام ج ۲۵ ص ۸۳)

اصولِ حدیث کا مشہور مسئلہ ہے کہ جس راوی سے دو یا زیادہ ثقہ راوی حدیث بیان

کریں تو وہ مجہول العین (یعنی مجہول) نہیں ہوتا اور اگر ایسے راوی کی توثیق موجود نہ ہو تو مجہول الحال (مستور) ہوتا ہے۔ چند حوالے درج ذیل ہیں:

۱: خطیب بغدادی نے لکھا ہے: " و أقل ما ترتفع به الجهالة أن يروي عن الرجل اثنان فصاعدًا من المشهورين بالعلم ، كذلك " اور آدمی کی جہالت (مجہول العین ہونا) کم از کم اس سے ختم ہو جاتی ہے کہ اس سے علم کے ساتھ مشہور دو یا زیادہ راوی روایت بیان کریں، اسی طرح ہے۔

(الکفایہ فی علم الروایہ ص ۸۸ واللفظ لہ، شرح ملا علی قاری علیٰ نزھۃ النظر شرح نخبۃ الفکر ص ۵۱۷)

ابن الصلاح الشہر زوری نے لکھا ہے: " و من روى عنه عدلان و عيناه فقد ارتفعت عنه هذه الجهالة " اور جس سے دو ثقہ روایت کریں اور اس کا (نام لے کر) تعین کر دیں تو اس سے یہ جہالت (مجہول العین ہونا) ختم ہو جاتی ہے۔

(مقدمہ ابن الصلاح ص ۱۴۶ نوع ۲۳، شرح ملا علی قاری ص ۵۱۷)

حافظ ذہبی نے اسامہ بن حفص کے بارے میں لکھا ہے:

" ليس بمجهول فقد روى عنه أربعة " وہ مجہول نہیں، کیونکہ اس سے چار راویوں نے روایت بیان کی ہے۔ (ہدی الساری لابن حجر ص ۳۸۹)

تنبیہ: یہ عبارت اس سیاق کے ساتھ میزان الاعتدال کے مطبوعہ نسخوں سے گر گئی ہے۔

حافظ ابن تیمیہ کے مخالف علی بن عبدالکافی السبکی الشافعی نے علانیہ لکھا ہے:

" و برواية اثنين تنتفي جهالة العين فكيف برواية سبعة ؟ " دو کی روایت سے جہالتِ عین مرتفع (یعنی ختم) ہو جاتی ہے، لہٰذا سات کی روایت سے کس طرح رفع نہ ہوگی؟!

(شفاء السقام، الباب الاول الحدیث الاول ص ۹۸)

حافظ ابن عبدالبر نے ایک راوی عبدالرحمٰن بن یزید بن عقبہ بن کریم الانصاری الصدوق کے بارے میں لکھا ہے: " و قد روى عنه ثلاثة ، و قد قيل : رجلان فليس بمجهول " اس سے تین یا دو آدمیوں نے روایت بیان کی، لہٰذا وہ مجہول نہیں

ہے۔(الاستذکار ۱/ ۱۸۰ ح ۴۹ باب ترک الوضوء مما مست النار)

ابو جعفر النحاس نے کہا: " **و من روی عنه اثنان فلیس بمجهول .** "

اور جس سے دو روایت کریں تو وہ مجہول نہیں۔ (الناسخ والمنسوخ ۱/ ۴۸ دوسرا ۱/ ۱۷۱، شاملہ)

عینی حنفی نے ایک راوی (ابو زید) کے بارے میں لکھا ہے:

" **والجهالة عند المحدثین تزول بروایة اثنین فصاعدًا ، فأین الجهالة بعد ذلك ؟ ! إلا أن یراد جهالة الحال ...** " اور محدثین کے نزدیک دو یا زیادہ کی روایت سے جہالت ختم ہو جاتی ہے، لہٰذا اس کے بعد جہالت کہاں رہی؟! الا یہ کہ اس سے جہالتِ حال مراد لی جائے... (نخب الافکار فی تنقیح مبانی الاخبار فی شرح معانی الآثار ۲/ ۲۸۲ ط وزارۃ الاوقاف قطر)

اس طرح کے اور بھی بہت سے حوالے ہیں۔

(مثلاً دیکھئے لسان المیزان ۶/ ۲۲۶، الولید بن محمد بن صالح، مجمع الزوائد ۱/ ۳۶۲)

۲: ظفر احمد تھانوی دیوبندی نے عائشہ بنت عجرد کے بارے میں ایک اصول لکھا ہے:

" **ولیس بمجهول من روی عنه اثنان** " اور جس سے دو ثقہ راوی روایت بیان کریں تو وہ مجہول نہیں ہوتا۔ (اعلاء السنن ج ۱ ص ۲۰۷ ح ۱۵۳)

تنبیہ: اس کے بعد " **و عرفها یحیی بن معین فقال : لها صحبة** " والی عبارت علیحدہ ہے اور اس کا اس اصول سے کوئی ٹکراؤ نہیں ہے۔

ظفر احمد تھانوی دیوبندی نے مزید لکھا ہے: " **بروایة عدلین ترتفع جهالة العین عند الجمهور و لا تثبت به العدالة** " جمہور کے نزدیک دو ثقہ راویوں کی روایت سے جہالتِ عین ختم ہو جاتی ہے اور اس سے عدالت (راوی کی توثیق) ثابت نہیں ہوتی۔

(قواعد فی علوم الحدیث ص ۱۳۰، اعلاء السنن ج ۱۹ ص ۲۱۳)

۳: عبدالقیوم حقانی دیوبندی نے ایک راوی کے بارے میں لکھا ہے:

"اس کے جواب میں شارحینِ حدیث فرماتے ہیں۔ کہ ان کا نام یزید ہے اور ان سے تین راوی روایت کرتے ہیں اور قاعدے کے مطابق جس شخص سے روایت کرنے والے دو

ہوں اس کی جہالت رفع ہو جاتی ہے...'' (توضیح السنن ج۱ص۱۷۵ تحت ح ۳۴۵)
نیز دیکھئے توضیح السنن (ج۲ص۶۰۵ تحت ح ۹۹۵۔۱۰۰۰)

۴: محمد تقی عثمانی دیوبندی نے ایک مجہول الحال راوی ابو عائشہ پر اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہا:

''اور اصولِ حدیث میں یہ بات طے ہو چکی ہے کہ جس شخص سے دو راوی روایت کریں اسکی جہالت مرتفع ہو جاتی ہے، لہٰذا جہالت کا اعتراض درست نہیں اور یہ حدیث حسن سے کم نہیں.'' (درس ترمذی ج۲ص۳۱۵۔۳۱۶)

۵: عبدالحق حقانی اکوڑوی دیوبندی نے ایک روایت میں مجہول والے اعتراض کے بارے میں کہا: ''تو اس کا جواب یہ ہے کہ مجہول کی دو قسم ہیں۔(۱) مجہول ذات (۲) مجہول صفات جب کسی راوی نے روایت میں حدثنی رجل کہہ دیا اور وہ رجل معلوم نہیں تو یہ مجہول ذات ہے اگر ایسے غیر معلوم رجل سے دو شاگرد جو ثقہ عادل اور تام الضبط ہوں اور امت کو ان پر اعتماد ہو) روایت نقل کر دیں تو ایسے دو تلامذہ کا ایک استاد سے روایت نقل کرنا گویا استاد (رجل مجہول) کی ثقاہت کی شہادت ہے۔ کیونکہ باکمال تلامذہ بے کمال استاد سے کبھی بھی سبق حاصل نہیں کرتے۔'' (حقائق السنن شرح جامع السنن للترمذی ج۱ص۲۰۶)

۶: احمد حسن سنبھلی تقلیدی مظفر نگری نے امام ابن ابی شیبہ کے (اپنے مزعوم امام پر) پہلے اعتراض کے جواب میں لکھا ہے:

''پس دو شخصوں نے جب ان سے روایت کی تو جہالت مرتفع ہو گئی سُو یہ معروف شمار ہوں گے جیسا کہ یہ قاعدہ اصول حدیث میں ثابت ہو چکا ہے...''

(اجوبہ اللطیفہ عن بعض رد ابن ابی شیبہ علیٰ ابی حنیفہ ص۱۸۔۱۹، ترجمانِ احناف ۴۱۸۔۴۱۹)

یہ کتاب چار اشخاص کی پسندیدہ ہے:

(۱) اشرف علی تھانوی (دیکھئے ترجمان احناف ص۴۰۸)

(۲) ماسٹر امین اوکاڑوی (دیکھئے ترجمان احناف ص۳۔۷)

(۳) مشتاق علی شاہ دیوبندی (دیکھئے ترجمان احناف کا پہلا صفحہ)

(۴) محمد الیاس گھمن حیاتی دیوبندی (دیکھئے: فرقہ اہلحدیث پاک و ہند کا تحقیقی جائزہ ص ۳۹۰)

اگر اس حوالے میں مذکورہ اصولِ حدیث کے مسئلے کا انکار کیا جائے تو آلِ تقلید کا اپنے مزعوم امام کا، پہلے ہی مسئلے میں دفاع ختم ہو جاتا ہے اور امام ابن ابی شیبہ کا یہ اعتراض صحیح ثابت ہو جاتا ہے کہ (امام) ابو حنیفہ احادیث کی مخالفت کرتے تھے۔

۷: نیموی تقلیدی نے ایک مجہول الحال راوی ابو عائشہ کے بارے میں لکھا ہے:

"قلت :فار تفعت الجهالة بر واية الاثنين عنه"

میں نے کہا: پس اس سے دو کی روایت سے جہالت مرتفع (ختم) ہوگئی۔

(آثار السنن ص ۳۹۷ تحت ح ۹۹۵)

نیز دیکھئے آثار السنن (ص ۱۴۷ تحت ح ۳۲۸)

۸: شبیر احمد عثمانی دیوبندی نے لکھا ہے:

"ثم من روى عنه عدلان ارتفعت جهالة عينه" پھر جس سے دو ثقہ راوی روایت بیان کریں تو اس کی جہالتِ عین ختم ہو جاتی ہے۔ (فتح الملہم ج ۱ ص ۶۳، دوسرا نسخہ ج ۱ ص ۱۷۲)

۹: محمد ارشاد القاسمی بھاگل پوری (دیوبندی) نے لکھا ہے:

"مجہول العین کی روایت دو عادل سے ثابت ہو جائے تو جہالت مرتفع ہو جائے گی۔"

(ارشاد اصول الحدیث ط زمزم پبلشرز ص ۹۵)

۱۰: محمد محمود عالم صفدر (ننھے) اوکاڑوی نے لکھا ہے: "یہ بات یاد رہے کہ راوی کے ایک ہونے پر جہالت کا مدار دوسرے محدثین کے نزدیک ہے، اور ان کے نزدیک اگر دو روایت کرنے والے ہوں تو جہالت عینی مرتفع ہو جائے گی۔ ہمارے نزدیک مجہول العین وہ ہے جس سے ایک یا دو حدیثیں مروی ہوں اور اس کی عدالت بھی معلوم نہ ہو عام ہے کہ اس سے روایت کرنے والے دو یا دو سے زائد ہوں۔ اس قسم کی جہالت اگر صحابی میں ہے تو مضر نہیں اور اگر غیر میں ہے تو پھر اگر اس کی حدیث قرن ثانی یا قرن ثالث میں ظاہر ہو جائے تو اس پر

عمل جائز ہوگا اور اگر ظاہر ہو اور سلف اس کی صحت کی گواہی دیں، طعن سے خاموش رہیں تو قبول کر لی جائے گی اور اگر رد کر دیں تو رد کر دی جائے گی اور اگر اختلاف کریں تو اگر موافق قیاس ہوگی تو قبول ورنہ رد کر دی جائے گی۔" (قطرات العطر ص ۲۳۸)

ننھے اوکاڑوی کے اس دیوبندی اصول سے محمود بن اسحاق الخزاعی اور نافع بن محمود المقدسی وغیرہما رحمہم اللہ کی روایات مقبول (صحیح یا حسن) ہو جاتی ہیں۔

اس طرح کے مزید حوالے بھی تلاش کئے جا سکتے ہیں اور ان سے ثابت ہوا کہ سات شاگردوں والے راوی محمود بن اسحاق رحمہ اللہ کو مطلقاً مجہول یا مجہول العین کہنا بالکل غلط و مردود ہے۔

رہا مجہول الحال یا مستور قرار دینا تو یہ صرف اس صورت میں ہوتا ہے، جب راوی کی توثیق سرے سے موجود نہ ہو (یا نا قابلِ اعتماد ہو) جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

" و إن روى عنه اثنان فصاعدًا ولم يوثق فهو مجهول الحال وهو المستور و قد قبل روايته جماعة بغير قيد و ردها الجمهور ... " "اگر اس سے دو یا دو سے زائد نے روایت کی ہو اور اس کی توثیق نہ ہو تو وہ مجہول الحال ہے اور مستور ہے اسے بغیر کسی قید کے ایک جماعت نے قبول کیا ہے، اور جمہور نے رد کر دیا ہے..." (نزھۃ النظر شرح نخبۃ الفکر مع شرح الملا علی القاری ص ۵۱۷۔۵۱۸، قطرات العطر شرح اردو شرح نخبۃ الفکر ص ۲۳۶)

ایک جماعت نے قبول کیا ہے، کی تشریح میں ملا علی قاری حنفی نے لکھا ہے:

" منهم أبو حنيفة ... " ان میں ابو حنیفہ... ہیں۔ (شرح شرح نخبۃ الفکر ص ۵۱۸)

شبیر احمد عثمانی دیوبندی نے لکھا ہے:" و منهم أبو بكر بن فورك و كذا قبله أبو حنيفة خلافًا للشافعي ، و من عزاه إليه فقد وهم " اور ان (مستور کی روایت قبول کرنے) میں ابو بکر بن فورک اور ان سے پہلے ابو حنیفہ ہیں، (یہ اصول) شافعی کے خلاف ہے اور جس نے اسے ان (شافعی) کی طرف منسوب کیا ہے (کہ مستور کی روایت مقبول ہے) تو اسے غلطی لگی ہے۔ (فتح الملہم ج ۱ ص ۱۷۰، قدیم نسخہ ج ۱ ص ۶۳)

حبیب الرحمٰن اعظمی دیوبندی کی پسندیدہ کتاب علوم الحدیث میں محمد عبید اللہ الاسعدی (دیوبندی) نے لکھا ہے: ''امام ابوحنیفہ کے نزدیک مجہول کے احکام کی بابت تفصیل یہ ہے

(الف) مجہول العین:۔ یہ حال جرح نہیں ہے اس کی حدیث اس صورت میں غیر مقبول ہو گی جبکہ سلف نے اس کو مردود قرار دیا ہو یا یہ کہ اس کا ظہور عہد تبع تابعین کے بعد ہو۔ اور اگر اس سے پہلے ہو خواہ سلف نے اس کی تقویت کی ہو یا بعض نے موافقت کی ہو یا کہ سب نے سکوت کیا ہو، اس پر عمل درست ہے۔

(ب) مجہول الحال:۔ راوی مقبول ہے، خواہ عدل الظاہر خفی الباطن ہو یا دونوں کی رو سے مجہول ہو۔

(ج) مجہول الاسم:۔ بھی مقبول ہے بشرطیکہ قرون ثلاثہ سے تعلق رکھتا ہو۔

اس تفصیل سے یہ بھی ظاہر ہے کہ امام صاحب کے نزدیک بھی مجہول مطلقاً مقبول نہیں کم از کم قرون ثلاثہ سے تعلق کی قید ضرور ملحوظ ہے جیسا کہ تصریح کی گئی ہے۔''

(علوم الحدیث ص ۲۰۰)

ابوسعد شیرازی (دیوبندی) نے لکھا ہے:

''جو راوی مجہول العین نہ ہو اور اس کی توثیق بھی کسی سے منقول نہ ہو اسے مستور کہتے ہیں اس کی روایت مقبول ہے۔'' (الیاس گھمن کا قافلۂ ''حق'' جلد۳ شمارہ۲ ص ۲۹)

شیرازی دیوبندی نے اپنے ''سلطان المحدثین'' ملا علی قاری سے نقل کیا ہے:

''اور مستور کی روایت کو ایک جماعت نے بغیر زمانہ کی قید کے قبول کیا ہے انہیں میں سے ابوحنیفہؒ بھی ہیں۔ سخاوی نے اس کو ذکر کیا ہے اور اس قول کو امام اعظمؒ کی اتباع کرتے ہوئے ابن حبان نے اختیار کیا ہے...'' (الیاس گھمن کا قافلۂ ''حق'' جلد۳ شمارہ۲ ص ۳۵)

تنبیہ: یہ دعویٰ کہ اس اصول میں حافظ ابن حبان نے حنفیہ کے امام ابوحنیفہ کی اتباع کی ہے، بے دلیل و بے سند ہے۔

دیوبندی ''مفتی'' شبیر احمد (جدید) نے لکھا ہے: ''تیسرے راوی ہیں امام ابوعصمہ

سعد بن معاذ المروزی۔ان پر علی زئی نے مجہول ہونے کی جرح نقل کی ہے۔حالانکہ اصول حدیث کی رو سے یہ جرح بھی مردود ہے، کیونکہ مجہول کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ مجہول الحال ۲۔ مجہول العین

مجہول کا مطلب جس کی عدالت ظاہر نہ ہو، مسلمان ہو۔امام اعظم ابو حنیفہؒ اور آپکے متبعین کے نزدیک مجہول الحال کی روایت قبول کی جائے گی یعنی راوی کا مسلمان ہونا اور فسق سے بچنا اس کی روایت کی قبولیت کے لئے کافی ہے۔

مجہول العین کا مطلب یہ ہے کہ علماء اس راوی اور اس کی روایت کو نہ پہچانتے ہوں۔اس سے صرف ایک راوی نے نقل کیا ہو بالفاظ دیگر اس سے ایک شاگرد نے روایت نقل کی ہو۔

مجہول کی اقسام میں سے ایک قسم بھی ابو عصمہ پر صادق نہیں آتی نہ مجہول الحال نہ ہی مجہول العین۔احناف کے اصول کے مطابق تو اس کی روایت قبول ہے ہی دیگر ائمہ کے اصول کے مطابق بھی اس کی روایت قبول ہے کیونکہ ان کے شاگرد کئی ہیں اور یہ ہیں بھی مسلمان۔لہٰذا ان کی روایت قبول ہوگی۔'' الخ (الیاس گھمن کا قافلۂ ''حق'' جلد ۵ شمارہ ۴ ص ۲۴)

انصاف پسند قارئین کرام غور کریں کہ ابو عصمہ سے چند راویوں نے روایت بیان کی اور کسی ایک مستند محدث یا عالم نے اس کی صریح یا غیر صریح توثیق نہیں کی، بلکہ حافظ ذہبی نے صاف لکھا ہے کہ ''مجهول و حديثه باطل'' وہ مجہول ہے اور اس کی حدیث باطل ہے۔

(میزان الاعتدال ۲/ ۱۲۵، دوسرا نسخہ ۳/ ۱۸۵)

اس ابو عصمہ کو تو ثقہ وصدوق ثابت کیا جا رہا ہے (!) اور محمود بن اسحاق الخزاعی البخاری ونافع بن محمود المقدسی وغیرہما کو مجہول ومستور کہا جا رہا ہے۔سبحان اللہ!

خلاصۃ التحقیق: محمود بن اسحاق الخزاعی مذکور، مجہول ومستور نہیں بلکہ ثقہ وصدوق اور صحیح الحدیث وحسن الحدیث تھے، لہٰذا ان پر ماسٹر امین اوکاڑوی دیوبندی اور مقلدینِ اوکاڑوی کی جرح مردود ہے۔

وفات: ۳۳۲ھ (تاریخ نوشت: ۴/ نومبر ۲۰۱۱ء مکتبۃ الحدیث حضرو۔اٹک)

زنا، فحاشی اور بے حیائی سے بچنا فرض ہے

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ الَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴾ اور (مومن وہ لوگ ہیں) جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، سوائے اپنی بیویوں اور لونڈیوں کے۔ پس بلاشبہ (بیویوں اور لونڈیوں کے بارے میں) ان پر کوئی ملامت نہیں ۔ پھر جس نے اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ تلاش کیا تو یہی لوگ سرکشی کرنے والے ہیں۔ (المومنون: ۵۔۷)

فقہ القرآن:

۱: صحیح احادیث کو مدنظر رکھتے ہوئے عرض ہے کہ اہلِ ایمان اُمتیوں کی ازواج سے مراد زیادہ سے زیادہ (ایک وقت میں) چار بیویاں ہیں اور جو شخص اپنی بیویوں کے درمیان انصاف نہ کر سکے تو اس کے لئے صرف ایک بیوی یا لونڈیوں کی اجازت ہے۔

۲: لونڈی کا خریدنا یا حقِ ملکیت میں آجانا ہی اس کا اپنے مالک سے نکاح ہے، لیکن یاد رہے کہ موجودہ دور میں میرے علم کے مطابق لونڈی یا غلام کا کہیں وجود نہیں ہے۔

۳: مذکورہ دو رشتوں (بیوی اور لونڈی سے تعلقاتِ زوجیت) کے علاوہ شہوت کے تمام طریقے مثلاً زنا، مشت زنی، جانوروں کے ساتھ بدفعلی اور قوم لوط کا عمل حرام ہیں۔

دینِ اسلام میں ان جرائم پر حد یا تعزیر مقرر ہے۔

۴: بے حیائی، فحاشی اور بداخلاقی کے تمام کاموں سے دُور رہنا ضروری ہے۔

۵: بالغ ہوتے ہی نکاح کر لینا انتہائی پسندیدہ کام ہے، تا کہ انسان اخلاقی بُرائیوں اور جرائم سے بچا رہے۔

۶: حرام و ممنوع راستے اختیار کرنے والے کو سرکش قرار دیا گیا ہے۔ (۱۲/ نومبر ۲۰۱۱ء)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور رفع یدین

امام ابو طاہر محمد بن عبدالرحمٰن المخلّص نے فرمایا:

" حدثنا يحيى قال : حدثنا عمرو بن علي قال: حدثنا ابن أبي عدي عن محمد بن عمرو عن أبي سلمة عن أبي هريرة أنه كان يرفع يديه في كل خفض و رفع و يقول :أنا أشبهكم صلاة برسول الله صلى الله عليه وسلم ."

ابوسلمہ (بن عبدالرحمٰن بن عوف رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہر (رکوع کے لئے) جھکتے وقت اور ہر (رکوع سے) اٹھتے وقت رفع یدین کرتے تھے اور فرماتے: میں تم سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے مشابہ ہوں۔

(المخلصیات ۲/ ۱۳۹ ح ۱۲۲۹، وسندہ حسن)

یحییٰ سے مراد امام یحییٰ بن محمد بن صاعد ہیں اور ان سے یہ روایت امام دارقطنی نے بھی کتاب العلل (۹/ ۲۸۳) میں بیان کی ہے۔

تنبیہ: بریکٹوں میں رکوع کا اضافہ جزء رفع الیدین للبخاری (ح ۲۲) اور صحیح بخاری (۷۳۶) وغیرہما کی احادیث صحیحہ کو مدِ نظر رکھ کر کیا گیا ہے، نیز یاد رہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہی نماز تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری نماز تھی۔

اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نماز میں رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔

عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ میں نے (سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ نماز پڑھی ہے، وہ رفع یدین کرتے تھے جب تکبیر کہتے اور جب رکوع کرتے [اور جب رکوع سے اٹھتے] (دیکھئے جزء رفع الیدین: ۲۲ وسندہ صحیح)

اس روایت کی سند بالکل صحیح ہے اور بریکٹ کے الفاظ دوسرے قلمی نسخے سے لئے گئے ہیں۔ (رفع یدین کے مسئلے پر تفصیل کے لئے دیکھئے: نور العینین فی اثبات مسئلہ رفع الیدین)